عروج و زوال کا الٰہی نظام

جس میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب، قائدین کے اوصاف و خصائل، بقاء اصلح اور بہت سے نفسیاتی، عمرانی اور اجتماعی مسائل پر وحیِ الٰہی اور علم و تحقیق کی روشنی میں بصیرت افروز اور محققانہ کلام کیا گیا ہے

تالیف

مولانا محمد تقی صاحب امینی

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

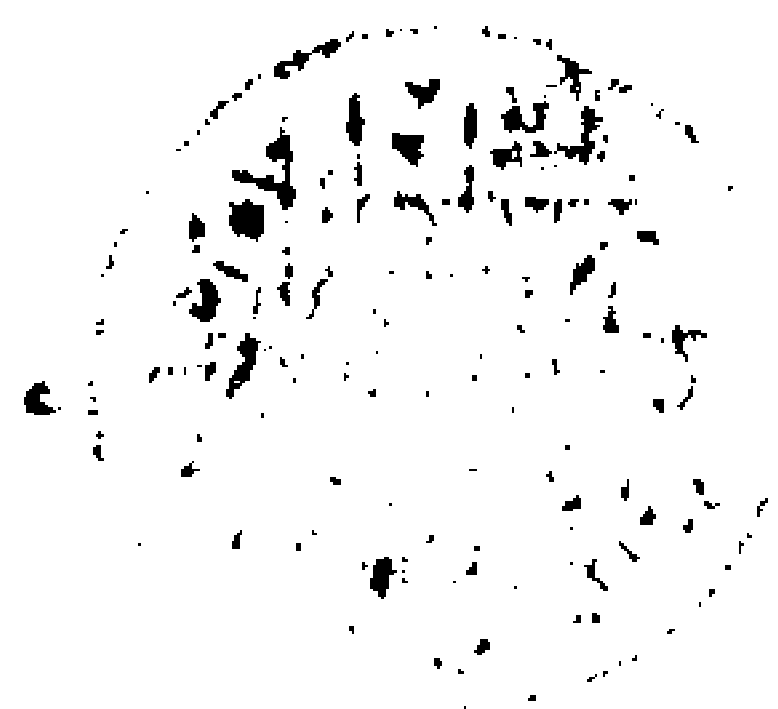

عروج و زوال

کا

الٰہی نظام

ذخیرہ محمد باقر

تالیف

مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دار العلوم معینیہ درگاہ شریف اجمیر

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

PEOPLE'S PUBLISHING HOUSE

AL[illegible] [illegible] CHOWK ANARKALI

LAHORE

Marfat.com

135247

طبع اوّل

صفر المظفر ۱۳۷۹ھ مطابق اگست ۱۹۵۹ء

قیمت مجلد: - تین روپئے

مطبوعہ

الجمعیۃ پریس دہلی

Marfat.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
مقدمہ	۱۱
(۱) انسان کا مقام اور قدرتی انتظام	۱۵
انسان ایک مستقل مخلوق ہے جس میں اللہ کی روح ہے اور اس کی صفات کا پرتو ہے	۱۵
انسان دنیا میں اللہ کا نائب ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔	۱۶
کائنات کی امانت انسان کے سپرد ہے	۱۸
عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت کی چند ہدایتیں	۱۹
پیغمبروں نے سیرت سازی کی فیکٹریاں قائم کیں اور مادی ترقیات کا رخ بنایا	۲۰
ایک مثال کے ذریعہ قدرتی انتظام کی وضاحت	۲۲
(۲) زندگی کے نفسیاتی موثرات	۲۳
فطرت قبول حق کی قوت و استعداد کا نام ہے	۲۳
فطرت کی لغوی تشریح اور محققین کی رائیں	۲۴
قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ فطرت کے ماسواء محرکات ہیں	۲۵
کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں	۲۶
لفظ شاکلہ سے استدلال اور لغوی تحقیق	۲۷
محققین و مفسرین کی رائیں	۲۸
قوموں کے آباء و اجداد کے تذکرہ سے وراثت پر استدلال	۲۹
چند حدیثوں سے وراثت کا ثبوت	۳۰
اجتماعیات کے چند اقتباس	۳۱
انسان ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے	۳۲
قرآن حکیم سے ماحول کا ثبوت	۳۲
رسول اللہ کی حدیث سے ماحول کا ثبوت	۳۳
فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کی رائیں	۳۴
تربیت کا مقصد ضبط نفس کی طاقت پیدا کرنا اور غلط اثرات سے بچنا ہے	۳۵

Marfat.com

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
تربیت کے ذریعہ اوصاف وخصائص کے استعمال کا رخ بدل سکتا ہے	۳۶	فنائیت کے چند اثرات جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں	۵۱
مشق وعادت چھوڑی جاسکتی ہے	۳۸	نہایت اہم اثر یہ ہے کہ تکلیف ومصیبت میں عیش وراحت کی لذت محسوس کریں	۵۳
جسمانی ساخت پر ذہنی ساخت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے	۳۹	عملیت یہ ہو کہ قائدین نظریہ حیات کو بروئے کار لانے کیلئے سراپا عمل بن جائیں	۵۴
(۳) قائدین کی تربیت و اوصاف وخصائص	۴۱	قرآن حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے عملیت کا ثبوت	۵۵
قائدین کی تربیت کی دو صورتیں ہیں	۴۲	قائدین کی اخلاقی زندگی نہایت منظم ہونی چاہیئے	۵۷
انبیاء کرام کی زندگی میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں	۴۳	انبیاء کرام کے اخلاق بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل ہوتے ہیں	۵۷
قرآن حکیم سے قائدین کی تربیت کا ثبوت	۴۴	قائدین کو ہر وقت جذبات قابو میں رکھنا چاہیئے	۵۹
قائدین میں کام اور مقام کی مناسبت سے صلاحیت ہونی چاہیئے	۴۶	قوت استدلال وبیان یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے قائدین مخاطب کو سمجھا سکیں	۶۰
لفظ حکمت سے صلاحیت پر استدلال	۴۷	قرآن حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے ثبوت	۶۱
تاویل الاحادیث سے صلاحیت پر استدلال	۴۹	قیادت ودعوت کی راہ کے چند اصول	۶۲
فی العلم والجسم سے صلاحیت پر استدلال	۴۹	(۴) عروج وزوال کی زمین اور اسکی بنیاد	۶۶
فنائیت یہ ہو کہ قائدین کے دل ودماغ میں حیات سے عشق سمایا ہوا ہو	۵۱	عروج یا زوال کی تخم ریزی سب سے پہلے انفس میں ہوتی ہے	۶۷

Marfat.com

مضامین	صفحہ
دنیا ایک باغ ہے جو باغبان خلق خدا کے لئے باغ کو زیادہ مفید بنانے کا اہل ہوگا وہی مستحق ہوگا	۶۹
عروج و بقا کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے	۷۰
چند اخلاقی اوصاف کی تفصیل	۷۰
فلسفۂ تاریخ و اجتماعیات کے دو مشہور استادوں کی رائیں	۷۱
دو قوموں کی مثالیں	۷۳
قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے	۷۳
زوال کی بنیاد بداخلاقی پر رکھی جاتی ہے	۷۴
قوموں کی تاریخ سے اس کا ثبوت	۷۵
(۵) انتخاب فطری اور بقاء اصلح	۷۷
نظریۂ بقاء اصلح کی اجمالی تشریح	۷۷
قوموں کی باہمی مزاحمت و مدافعت ہی کی بدولت نشو و ارتقاء کا کام جاری ہے	۷۹
قیام و بقاء کیلئے اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادیت کی ترقی کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے	۸۱
چند آیات قرآنی سے اس کا ثبوت	۸۱
قرآن حکیم کی نظر میں اصلح بننے کے لئے صفت عدالت اصل معیار ہے	۸۴
(۶) اصلح قوم کی تنظیم و تربیت کے بنیادی اصول	۸۷
تنظیم و تربیت کے بنیادی اصول چار ہیں	۸۸
(۱) ایمان	
ایمان قلب و ذہن کی خاص کیفیت کا نام ہے	۸۹
ایمان قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے	۹۰
ایمان کا لازمی نتیجہ محبت و محبوبیت ہے	۹۱
ایمان جان و مال کا سودا ہوتا ہے	۹۳
ایمان کا مدار اور موقوف علیہ ہجرت، جہاد اور نصرت ہیں	۹۵
تینوں کی تعریف و تشریح	۹۶
جہاد ایک فطری حقیقت ہے مدافعانہ اور جارحانہ پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے	۹۸
جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور اس کا مقصد	۹۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ اور چند شہادتیں	۱۰۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ
ایمان کے لئے مرکزیت، اطاعت اور اتحاد تینوں ضروری ہیں	۱۰۲
ایمان کا تقاضا پیہم حرکت اور مسلسل سعی و عمل ہے	۱۰۴
ایمانی اعمال کی اجمالی فہرست	۱۰۵
ایمانی زندگی میں قیام صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ کو اہمیت دینے کی وجہ	۱۰۶
انسانی زندگی پر ایمان کے مجموعی اثرات	۱۰۷
ایمان کو دل کی گہرائیوں میں اتارنے اور بارآور بنانے کے لئے تربیت کی ضرورت ہے	۱۰۸
(۲) عمل صالح	
لفظ صالح کی لغوی تحقیق اور چند محاورے	۱۱۰
قرآن حکیم میں صالح کے مفہوم کی عمومیت کا ثبوت	۱۱۲
احادیث سے عمومیت کا ثبوت	۱۱۳
مفسرین کی تصریحات سے عمومیت کا ثبوت	۱۱۳
قیام و بقاء کے لئے عمل صالح کے ذکر میں سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں مراد ہیں	۱۱۶

مضامین	صفحہ
قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے	۱۱۷
عالمی تصرفات سے متعلق چند آیتیں	۱۱۸
عالمی تصرفات سے متعلق رسول اللہؐ کے چند انتظامات	۱۲۰
اس سلسلہ میں مفسرین و محققین کی رائیں	۱۲۲
علامہ ابن تیمیہؒ کا قول کہ دین کی تکمیل قوت حرب و جہاد اور مال کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے	۱۲۳
روسوؔ کی فاش غلطی کا ثبوت	۱۲۴
(۳) تواصی بالحق	۱۲۵
تواصی کی لغوی، صرفی اور اصطلاحی تحقیق	۱۲۵
مادۂ وصیت لانے میں نکتہ	۱۲۶
وصیت کے مادہ میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے	۱۲۷
تواصی جذبہ و اسپرٹ کے ساتھ ہونی چاہئے	۱۲۷
رسول اللہؐ کی بیان کردہ ایک مثال سے جذبہ کی وضاحت	۱۲۸
ایک اور مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت	۱۲۹

مضامین	صفحہ
قومی وطنی اور مذہبی جذبات میں سب سے زیادہ موثر جذبہ مذہبی ہے	۱۳۰
مذہبی جذبہ ہی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کا باعث بنا ہے	۱۳۱
مذہبی جذبہ انسان کی جبلت میں داخل ہے	۱۳۲
اجتماعین کے نزدیک مذہب کی ایک وسیع توجیہ	۱۳۳
الحق کی لغوی تحقیق	۱۳۴
زیر بحث الحق کے مفہوم کی تشریح	۱۳۴
(۴) تواصی بالصبر	۱۳۶
صبر کی تحقیق اور اس کا استعمال	۱۳۶
قیام و بقا کے سلسلے میں صبر کا مقام	۱۳۸
صبر کے مظاہر کی شکلیں	۱۳۹
تواصی بالصبر میں عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین مراد ہے	۱۴۱
(۷) زوال کے بنیادی اصول	۱۴۳
(۱) شرک ونفاق	۱۴۴
شرک ونفاق کی حقیقت	۱۴۴
نفاق کے بارے میں حضرت حذیفہؓ کے قول کی تشریح	۱۴۶
شرک ونفاق سے عزم ویقین کی روح فنا ہو جاتی ہے	۱۴۷
نظم و مرکزیت اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے	۱۴۸
دل کا استحکام ختم ہو جاتا ہے اور زبان و دل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے	۱۴۹
مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے	۱۵۰
محنت ومشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں اور باتیں بنا کر مطلب براری کی جاتی ہے	۱۵۲
ذاتی مفاد و اغراض کی غلامی ہوتی ہے	۱۵۲
کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات کی رفتار دیکھتے ہیں اور بعض لوگ مخالفین کا ساتھ دیتے ہیں	۱۵۳
مذہب کی نمائش دنیا کے لئے ہوتی ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے دنیا حاصل کی جاتی ہے	۱۵۴
قوت و استنباط اور ردوبدل وغیرہ ختم ہو کر تقلیدی جمود پیدا ہو جاتا ہے	۱۵۵

Marfat.com

مضامین	صفحہ
عمل کی جگہ تمنائیں اور آرزوئیں بے یقینی میں اور دل کی روحانیت ختم ہو کر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے	۱۵۶
(۲) بے عملی و بدعملی	۱۵۷
معاصی کے ارتکاب میں آزادی و بے باکی ہو جاتی ہے	۱۵۸
انسانیت حیوانیت کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے	۱۵۸
قوم پر یاس و قنوط کی حالت طاری ہوتی ہے اور ذلت انگیز امن پر قناعت کر لیتی ہے	۱۵۹
توکل اور تقدیر کے غلط مفہوم رائج پا جاتے ہیں اور قوائے عملی مفلوج بن جاتے ہیں	۱۶۲
دل کی سختی سے عبرت پذیری کی استعداد ختم ہو جاتی ہے	۱۶۴
مال و دولت اور زندگی سے محبت کی وجہ سے جدوجہد کی طاقتیں چھن جاتی ہیں	۱۶۵
علماء میں بھی مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے	۱۶۷
ذہنیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کھلی ہوئی ترقی کی راہیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں	۱۶۸
مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہو جاتی ہے	۱۶۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۷۰
سائنٹفک دور کا آغاز چودہویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کے وقت سے ہوا ہے	۱۷۱
چند علماء یورپ کی شہادتیں	۱۷۱
زوال کے زمانہ میں رومن قوم کی حالت	۱۷۳
زوال کے زمانہ میں ایرانیوں کی حالت	۱۷۵
مسلم حکومت کے زوال پر شاہ ولی اللہؒ کی بحث	۱۷۶
عیش پرستی کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم پر مسلط ہو جاتی ہے	۱۷۸

Marfat.com

مضامین	صفحہ
(۳) باطل پرستی وخود فریبی	۱۷۹
باطل پرستی وخود فریبی سے بصیرت نفس ختم ہو جاتی ہے	۱۷۹
نفوس میں انجماد ہو جاتا ہے	۱۸۰
قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے	۱۸۱
جرائم کو سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں	۱۸۲
بدعات اور جرائم تمدن کو شیطان بقا اور ارتقا کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے	۱۸۳
(۴) بے ثباتی وخود غرضی	۱۸۳
قوم شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور قسمت کا ماتم کرنے لگتی ہے	۱۸۴
قومی کام کا ولولہ نہیں باقی رہتا ہے	۱۸۵
قوم کے جوان اور نوجوان بھی تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں	۱۸۶
جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم	۱۸۶
ماہرین نفسیات کے ایک شبہہ کا جواب	۱۸۷

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قوموں کے عروج و زوال کا مسئلہ اتنا ہی اہم اور قدیم ہے جتنا کہ خود انسان کا مسئلہ۔ تاریخ عالم پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بابل و نینوا کو آباد کرنیوالی قومیں۔ عاد و ثمود جیسی پہاڑوں سے ٹکرانیوالی طاقتیں۔ روم و ایران جیسی تہذیب و تمدن کی شمع روشن کرنیوالی سلطنتیں اور نہ معلوم کتنی قومیں اور کتنی حکومتیں آسمانِ ترقی پر پہنچیں اور بہار و بہار کا مزہ لوٹنے کے بعد خاک میں مل گئیں۔

اجڑی ہوئی بستیاں۔ ظلم کی چکی میں پسنے والی قومیں۔ صحراؤں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں میں بھی گوشۂ عافیت نہ پانیوالی آبادیاں اور تمام گمنام و بے بس قومیں جو آج کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذار رہی ہیں زبانِ حال سے شہادت دیتی ہیں کہ اُن پر اقبال و فیروز مندی کا دور بھی گذر چکا ہے اور فتح مندی و کامرانی کے بعد ہی انہیں ذلت و نکبت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

عروج و زوال کے بارے میں مسلم قوم کی تاریخ نہایت واضح اور مکمل نمونہ ہے یہ وہ قوم ہے جو اپنے عروج کے زمانہ میں طوفان کی طرح اٹھی، بجلی کی طرح چمکی اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی حکومت و مملکت کی حدیں اتنی وسیع کرلیں کہ سو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ مشرق میں سندھ و چینی ترکستان تک اور مغرب میں ہسپانیہ تک اپنے اقتدار میں لے لیا۔ علوم و فنون

Marfat.com

کی ترقی کے لحاظ سے مدتوں ساری دنیا پر اپنی فوقیت و برتری کا بے داغ سکہ چلایا۔ ذہنی و دماغی اور اخلاقی و مادی ہر لحاظ سے صدیوں ایسی کامیاب حکومت کی کہ اپنے "پاور ہاؤس" سے پرانی دنیا کے دفینوں پر "اعظم" کو روشنی پہنچاتی رہی لیکن زوال کے زمانہ میں اسی قوم پر فلاکت وادبار مسلط ہوگیا۔ بازو شل اور دماغ جامد ہوگئے۔ جہاد و اجتہاد کی طاقت ناپید ہوگئی اور اپنے وطن سے بے وطنی اور وطن میں رہ کر غریب الوطنی پر مجبور ہوئی۔

مغرب میں قلعۂ الحمراء و قصر الزہراء اور مشرق میں قلعۂ شاہجہانی و تاج محل عروج و زوال کی پوری داستان اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

الغرض قوموں کی زندگی میں اسی قسم کا نشیب و فراز، اتار چڑھاؤ اور بناؤ بگاڑ ایک لامعلوم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

ایسی حالت میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پس پشت کچھ قوانین و اسباب کارفرما ہیں یا یہ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں مفکروں اور فلسفیوں نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ چھ ہزار سال کی مسلسل جستجو بھی انسان کو اس کا اصلی مقام دلانے میں کامیاب نہ ہوسکی اور اس لحاظ سے عروج و زوال کے مسئلہ کا حل بھی انسانی مقام کے شایانِ شان نہ بن سکا۔

کائناتی مسائل کا حل چونکہ اسی ایک مسئلہ پر موقوف ہے اس بنا پر ہدایت الٰہی نے بھی ہر دور میں اس مسئلہ کو مرکز توجہ بنایا اور اس کے نوک پلک درست کرنے میں پورا زور صرف کیا۔ جن لوگوں کے سامنے چھ ہزار سال کی ناکامیوں اور نامرادیوں کی پوری تاریخ ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اور ہدایت الٰہی کو دخل دینے کی اس میں کتنی ضرورت تھی۔

Marfat.com

آیندہ اوراق میں ہدایت الٰہی کی روشنی میں اسی سوال کا جواب اور اسی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ جس قدر تفصیل طلب ہے مجھے اعتراف ہے کہ اتنی تفصیل اس کتابچہ میں نہیں بیان ہو سکی ہے پھر بھی موضوع کے مبادیات اور اساس کی ایک حد تک تفصیل آگئی ہے۔ بحث کی طوالت سے اس بنا پر گریز کیا گیا ہے کہ کتاب لکھنے کا مقصد صرف یہ نہ تھا کہ علمی ذخیرہ میں مزید ایک اور کتاب کا اضافہ ہو جائے بلکہ یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ پڑھی جائے اور خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اس راہ میں ایک رکاوٹ کتاب کی ضخامت بھی سمجھی جاتی ہے حتیٰ الامکان کوشش کی گئی کہ اپنی طرف سے یہ رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

کتاب میں پہلے انسان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جب تک انسان کو اُس کا صحیح مقام نہ معلوم ہو عروج وزوال کے کردار سے واقفیت دشوار ہے۔ زندگی کے نفسیاتی موثرات اور قائدین کے خصائص وغیرہ کی بحث بھی بقدر ضرورت آگئی ہے کہ اس کے بغیر اصل مسئلہ کی گہرائی تک پہنچنا اور سیاق وسباق سے واقف ہونا تقریباً دشوار تر تھا۔ ان مباحث میں مؤلف کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں البتہ اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر بحث کی بنیاد ہدایتِ الٰہی کی آخری کتاب مقدس (قرآن حکیم) ہی پر استوار ہو۔ نیز یہ کہ کوئی بات بغیر معتبر سند کے نہ پیش کی جائے۔ اس سلسلہ میں توضیح وتشریح کی حد تک دوسرے مصنفین کی علمی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ان سب کا ممنونِ احسان ہوں۔

ناسپاسی ہوگی اگر "ندوۃ المصنفین" اور اس کے بانی کا تشکر یہ نہ ادا کروں، اس نازک اور مشکل وقت میں یہ علمی ومذہبی ادارہ اگر بکمالِ حوصلہ کتاب کی اشاعت

Marfat.com

کے لئے تیار نہ ہوتا تو پھر بہ ظاہر یہ کوشش بروئے کار نہیں آسکتی تھی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب محسنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس ناچیز سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

محمد تقی امینی کان اللہ لہٗ
۲۴ر شوال المکرم ۱۳۷۸ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۵۹ء

Marfat.com

انسان کا مقام اور قدرتی انتظام

تاریخ کے ہر دور میں مشرق و مغرب کے فلسفیوں نے انسان کے بارے میں طبع آزمائی کی ہے۔ کسی نے خارجی دنیا کو سمجھ کر انسان کا مقام جاننے کی کوشش کی ہے اور کسی نے داخلی تجربات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔[1]

لیکن "وحی الٰہی" نے جس نگاہ اور بلندی کے ساتھ انسان کو دیکھا ہے اس کا پتہ قدیم و جدید کسی فلسفی کے نظریہ میں نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی نظر میں انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے۔[2]

انسان ایک مستقل مخلوق ہے جس میں اللہ کی روح ہے اور اسکی صفات کا پرتو ہے	بلکہ وہ مافوق حیوان ایک مستقل مخلوق ہے جس کے بنانے میں اللہ کا دست خاص مصروف عمل رہا ہے

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۝ ۷۵ ۝ اپنے ہاتھوں سے میں نے بنایا

اور تسخیری و اخلاقی تمام "جواہر" جو انسان کے اندر پائے جاتے ہیں وہ حیوانیت کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس بات کا کرشمہ ہیں کہ اللہ نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے اور اپنی صفات کا پرتو اس پر ڈالا ہے۔

---

[1] ہندو یونان کے فلسفی نظریات میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ [2] جدید فلسفی ڈارون، فرائڈ وغیرہ انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل بتلاتے ہیں ۱۲

Marfat.com

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ١٥/٢٨ — پھر جب میں انسان کو درست کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونکدوں تو تم (فرشتے) سجدہ میں گر پڑو۔

دوسری جگہ ہے

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ٣٢/٩ — پھر اللہ نے انسان کو درست کیا اور اس میں اپنی روح سے (کچھ) پھونک دیا۔

روح پھونکنے کے ساتھ زندگی کی پرخطر راہوں پر عبور کرنے کے لئے اور نشیب و فراز سے واقفیت کے لئے دیکھنے سننے کی طاقت اور سمجھنے کی صلاحیت بھی بخشی۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ٣٢/٩ — اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل بنایا۔

مذکورہ آیتوں کی ترجمانی حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حدیث قدسی ہے

لا اجعل من خلقتهٗ بیدی ونفخت فیه من روحی کمن قلت له کن فکان۔ — جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کو میں نے لفظ "کن" سے بنایا۔

انسان دنیا میں اللہ کا نائب ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہے

دنیا میں انسان کو اللہ نے اپنا نائب (خلیفہ) اور اپنی صفات کا مظہر بنایا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ٣٠/١ — میں زمین میں اپنا نائب مقرر کر رہا ہوں۔

Marfat.com

نیز تمام مظاہر قدرت سے اس کو افضل قرار دیا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ [۱۷/۱۷] ہم نے انسان کو معزز بنایا

اس نیابت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے حسب ذیل انتظامات کئے۔

(۱) صلاحیتیں دیں جس میں مادی و روحانی۔ تنظیمی و تخلیقی ہر قسم کی صلاحیتیں شامل ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ [۹۵/۴] ہم نے انسان کو بہترین پیمانہ پر پیدا کیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۲/۳۱] اور آدم کو "الاسماء" کا علم سکھایا۔

مفسرین نے "الاسمآء" کے مختلف معنی بیان کئے ہیں ان میں زیادہ مناسب "حقائق اشیاء" کا علم ہے[۵۱]۔ علم سے اس موقع پر اجمالی علم مراد ہے جس سے صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

عِلْمًا اِجْمَالِيًّا وَلَيْسَ الْمُرَادُ الْعِلْمُ التَّفْصِيْلِيُّ[۵۲] اجمالی علم تفصیلی علم مراد نہیں ہے۔

(۲) مقابلہ کے امتحان میں کامیاب بنایا

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ [۲/۳۳] پھر جب آدمؑ نے انھیں "الاسماء" سے واقف کردیا

(۳) کائنات کی ساری چیزیں انسان کے تابع کر دیں۔ (عقل و تجربات کی رہنمائی عطا فرما کر انھیں اپنے تابع بنانے کی اہلیت بخشی)

---

۵۱ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۵۔ ۵۲ تفسیر مظہری ص ۵۔

Marfat.com

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ	اللہ نے آسمان و زمین کی ساری
وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ	چیزیں تمہارے تابع فرمان
	کر دیں۔ [۴۵/۱۲]

(۴) جنت میں "ٹریننگ" کے لئے ایک مدت تک رکھا تاکہ وہاں کے نظام کو اور تعمیر و ترقی کی اسکیموں کو اچھی طرح سمجھ کر نیابت کے فرائض انجام دینے کے قابل بن سکے۔[۱]

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ	اے آدم۔ تم میاں بیوی جنت میں
وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا	سکونت کرو اور فراغت و آزادی
مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ	کے ساتھ جہاں چاہو کھاؤ پیو البتہ
لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	اس درخت کے قریب نہ جاؤ ورنہ
فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ [۲/۳۵]	اپنے آپ پر ظلم کرنیوالے ہوگے۔

کائنات کی امانت انسان کے سپرد ہے

اس انتظام و انصرام کے بعد اللہ نے کائنات کی "امانت" انسان کے سپرد کی اور انسان اس بار کے اٹھانے کے لئے تیار ہوگیا جب کہ دیگر مخلوق نے اپنی عدم صلاحیت کی بناء پر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ	ہم نے آسمانوں کے سامنے زمین
عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اور پہاڑوں کے سامنے "امانت"
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	پیش کی ان سب نے اُس کے اٹھانے

---

[۱] تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۲۲۵۔

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اس کو برداشت کر لیا۔ ۳۳/۷۲

مفسرین و مفکرین نے آیت میں "عرض امانت" سے عہدۂ تکلیف مراد لیا ہے۔[۱]
غرض کائنات کی چیزیں بطور امانت انسان کے سپرد ہوئی ہیں اور انسان بطور نائب ان پر قابض اور متصرف بنا ہے۔

عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت کی چند ہدایتیں

مذکورہ انتظامات کے باوجود نیابت کے مقررہ عہدہ پر بھیجتے وقت اللہ نے بھی درجہ ذیل بنیادی ہدایتیں کی تھیں

(۱) دنیا میں مخالف طاقت (شیطان) کا زور رہو گا (جس کا مظاہرہ جنت میں ٹریننگ کے وقت بھی ہو چکا ہے) اس سے ہوشیار رہنا اور دامن بچا کر کام کرتے رہنا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲/۳۶

(۲) دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ ایک مقررہ وقت تک ڈیوٹی دینا ہے اس عرصہ میں وہاں کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا لیکن اپنی حیثیت نہ بھولنا۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶

(۳) چند ابدی حقائق اور ناقابل تغیر اخلاقی قوانین سکھائے جن میں

---

[۱] "کلمت" کا مفہوم عام رکھنے میں کسی اصول کلیہ پر زد نہیں پڑتی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اسکی تفسیر بروجہ رعایۂ الفاظ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ سے ہٹ کر مِنْ كَلِمَاتِ اللّٰهِ الدُّعَاءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّضَرُّعِ" وغیرہ الفاظ سے کی ہے جس سے کسی قدر مفہوم کی وسعت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ ایسی صورت میں "فَتَابَ عَلَيْهِ" کے محل میں دشواری ہوتی ہے جو اس طرح دور کی جا سکتی ہے کہ "اللہ نے آدم پر توجہ فرمائی یعنی لغزش معاف کر کے عہدہ پر تعینات کر دیا"

Marfat.com

جو ان کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق اپنی حالت درست کریں گے تو میری ملاقات کے وقت انھیں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم۔ نیز اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ انھوں نے نیابت کے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں اور اس کے صلہ میں انھیں جنت (جو دنیا سے کہیں اعلیٰ مقام ہے) میں مستقل سکونت کی اجازت دیدی جائے گی۔

لیکن جو لوگ شیطان کی دشمنی کے شکار ہو جائیں گے اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریق پر نہ چلیں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا جہاں انھیں غفلت شعاری اور عیش کوشی کی سزا ملے گی۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲/۳۹

پیغمبروں نے سیرت سازی کی "فیکٹریاں" قائم کیں اور مادی ترقیات کا رخ بتلایا

چنانچہ اس وعدہ کے مطابق مختلف وقتوں میں بہت سے پیغمبر آئے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ انسان کی نیابتی صلاحیتوں کو ابھارتے رہے دعا و استغفار کے کلمات بھی شامل تھے فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۲/۳۷

(۴) وقتاً فوقتاً میرے پیغمبر آتے رہیں گے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ودیعت کی ہوئی صلاحیت بروے کار لائیں۔

لے امام غزالیؒ دبیضاوی اور شاہ ولی اللہؒ وغیرہ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۹)

Marfat.com

ان حضرات نے ایک طرف تو سیرت سازی کی فیکٹریاں قائم کیں اور دوسری طرف اپنے معجزات کے ذریعہ بعد کی ہونے والی مادی ترقیات کا رخ بتایا اور ان کی نظیریں پیش کیں۔

وَقَدْ قِيْلَ اِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَتَقَدَّمُ بِمَا يَرْتَقِيْ فِيْهِ الْخَلِيْقَةُ فِيْ مَدًى

مادی ترقیات چونکہ انسان کی غیر محدود خواہشوں اور نئی نئی ضرورتوں کی بنا پر بے حد متنوع اور معاشرہ کے ارتقار کے ساتھ بدلنے والی ہیں اس کے علاوہ پیغمبروں کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ سائنس وطبیعات کے ذریعہ کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتے پھریں جو عقل انسانی کے قابو میں ہیں۔

بلکہ ان کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ در روپ میں پیش کریں اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھائیں اور فکر وعمل کے صحیح حدود متعین کر کے زندگی میں نظم وضبط اور صلاحیتیں پیدا کرنے کے اصول سمجھائیں تاکہ وہ نیابتی فرائض کی ٹھیک بجا آوری کر سکے۔ اس بنا پر ان حضرات نے مادیات میں صرف مرکز متعین کرنے پر اکتفار کیا ہے اور حالات وزمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل وتجربہ کی رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى — آپ کہدیجئے کہ میں تمھیں ایک بات سمجھاتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے

Marfat.com

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۳۴/۴ کھڑے ہو جاؤ ایک ایک ، دو دو اور پھر (عالم کی نیرنگیوں میں) تفکر و تدبر کرو۔

ایک مثال کے ذریعہ قدرتی انتظام کی وضاحت

مذکورہ قدرتی انتظام کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب نئے شخص کو نئے مقام پر اہم ڈیوٹی سپرد ہوتی ہے تو صلاحیت کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لینے کے باوجود اسے باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے وہاں کی کیفیات و حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے کام کی نوعیت اور مقام کے نشیب و فراز سے واقف کرایا جاتا ہے ان تمام مرحلوں سے گذارنے کے بعد عہدہ پر بھیجتے وقت بھی چند ہدایتیں دی جاتی ہیں اور حکم و احکام کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے بہت سی باتوں کی حال و مقام کی مناسبت سے تفصیلات دی جاتی ہیں اور بہت سی باتوں میں متعلقہ افسر کی عقل و بصیرت پر اعتماد کر کے صرف پالیسی کے تعین پر اکتفار کیا جاتا ہے۔

اب ہم زندگی کے دو "موثرات" بیان کرتے ہیں جو انسان کی نیابتی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے میں مفید یا مضر ثابت ہوتے ہیں نیز ان پر کس قدر کس طرح اور کس حد تک قابو پایا جا سکتا ہے اور انھیں کام میں لایا جا سکتا ہے؟

135247

Marfat.com

زندگی کے نفسیاتی مؤثرات

انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے اور نباتی صلاحیتوں کو ابھارنے کے "نفسیات" کا جاننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر صحیح معنوں میں نہ کوئی شخص قومی اور اجتماعی مسائل پر بصیرت حاصل کرسکتا ہے نہ قیادت کرسکتا ہے اور نہ ہی تعلیم و تربیت کا ٹھیک انتظام کرسکتا ہے۔

جدید دنیا نے اس علم (نفسیات) کو مستقل شکل دے کر نہایت شاندار اور تفصیلی بحث کی ہے یہاں اس پر تفصیلی روشنی ڈالنی مشکل ہے۔ البتہ چند بنیادی باتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے زندگی کے مسائل حل کرنے اور عروج و زوال کے اصول سمجھنے میں ایک حد تک مدد ملے گی۔

قرآن حکیم میں ابتدائی اور بنیادی درج ذیل چار "مؤثرات" کا ذکر ملتا ہے۔ (۱) فطرت (۲) وراثت (۳) ماحول اور (۴) تربیت۔ ہر ایک کی تعریف اور کسی قدر تفصیل یہ ہے۔

(۱) فطرت

فطرت قبول حق کی قوت و استعداد کا نام ہے	قبول حق کی قوت و استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔

اس کی حیثیت "تخم" کی سمجھنا چاہیئے جس طرح تخم میں بالقوۃ نشو و نما اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے اسی طرح فطرت میں نشو و نمائی اور برگ و باری

Marfat.com

کی استعداد ہوتی ہے۔

فطرت کے اس مرحلہ میں ہر انسان نیک اور صالح ہوتا ہے نیز زندگی کے ہر موڑ اور موقف پر یہ "لائٹ" کا کام دیتی ہے۔ البتہ جب دوسرے مؤثرات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور زندگی کے احوال میں دوسرے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ۳۰/۳۰	اللہ کی وہ تراش جس پر اس نے لوگوں کو تراشا۔[۵]

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے فطرت کا ترجمہ "تراش" سے کیا ہے۔ دراصل اس "تراش" ہی میں قبول حق کی استعداد بھری گئی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۹۶/۴	ہم نے انسان کو خوب سے خوب انداز سے پر پیدا کیا۔[۵]

فطرت کی لغوی تشریح اور محققین کی رائیں

فطرت کے بارے میں محققین کی تصریحات یہ ہیں۔ لغت حدیث کی مشہور کتاب "مجمع البحار" میں ہے۔

"فطر" کے معنی ایجاد کرنا اور گھڑنا یعنی ایجاد و اختراع کے مرحلہ میں انسان جبلت و طبیعت کی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ قبول دین (حق) کی استعداد اس میں ہوتی ہے۔[۶]

"Lexxicans" کی لغت میں فطرت کی یہ تعریف ہے۔

---

۵ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ ۵۲ حوالہ مذکور ۵۳۔ مجمع البحار ج ۳ ص ۸۵۔

فطرت :۔ بچہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن ہے جس پر کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔

"محلیٰ ابن حزمؒ" نے فطرت کی وہی تعریف کی ہے جو صاحب "مجمع البحار" نے کی ہے۔[۵۱]

امام غزالیؒ کہتے ہیں

"تمام آدمیوں کا جوہر اصل فطرت میں قبول و اصلاح کی لیاقت رکھتا ہے۔ جس طرح ہر لوہا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے"[۵۲]

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔

"انسان فطرت پر یعنی قبول حق کی قدرت پر پیدا کیا جاتا ہے"[۵۳]

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فطرت کو انسان کی ظاہری و باطنی خصوصیات پر محمول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ :۔

"انسان کی ظاہری خصوصیت اس کا سیدھا جسم دلکش رنگ اور دلربا صورت ہے وہ اس وصف میں اپنی خاص ہیئت کے ساتھ دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہے اسی طرح اس کی باطنی خصوصیت سمجھ بوجھ عقل، اللہ کی معرفت کی طلب، اس کی عبادت کا جذبہ اور زندگی میں انتفاع کی صورتیں وغیرہ اس میں بھر دی گئی ہیں یہ اس کی فطرت ہے"[۵۴]

ایک اور موقع پر شاہ صاحبؒ تمام انبیاءؑ کی تعلیمات کا خلاصہ طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت میں بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں

وَالْخَصَالُ الْمُرَكَّبَةُ منها ان چاروں اوصاف کی ترکیب سے

---

۵۱ از فیض الباری ج ۱ ۵۲ کیمیائے سعادت عنوان اول ۵۳ بیضاوی ص ۹۶ ۵۴ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳

Marfat.com

تُسَمّٰی الفطرۃ جو حالت بنتی ہے اس کا نام فطرت ہے[1]

اس بیان سے غالباً شاہ صاحب کا مقصد فطرت کا مزاج سمجھانا اور فطری خواص ورجحانات کی طرف نشاندہی کرنا ہے کیونکہ یہ حالت اور باطنی خصوصیت اسی قوت واستعداد کا نتیجہ ہے جو فطرت کی تعریف میں گزر چکی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے فطرت پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے[2]

فلسفیوں نے بھی فطرت پر کافی بحث کی ہے۔ مثلاً "روسو" کے نزدیک انسان فطرتاً نیک پیدا ہوتا ہے۔ "پستا لوزی" اپنے دور اول اور دور آخر میں اسی کا قائل تھا[3]

ان کے علاوہ بعض دوسرے فلسفیوں کے خیالات بھی اسلامی مفکرین کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔

قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ فطرت کے ماسوا محرکات ہیں

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ جن کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے وہ فطرت کے ماسوا نیکی وبدی کے محرکات ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر یانگ "Jung" نے "Persona" اور "Anima" کے نام سے جو بحث کی ہے وہ قوت ملکیہ اور بہیمیہ سے ملتی جلتی ہے نہ کہ فطرت سے[4]

اس وقت یہ دونوں میرے موضوع بحث سے خارج ہیں۔

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳ ۲؎ فیض الباری ج ۲ کتاب الجنائز ص ۴۸۴ تا ۴۸۹ ۳؎ ملاحظہ ہو پستالوزی کا فلسفۂ تمدن وتعلیم ۴؎ شاہ ولی اللہ کا فلسفۂ تعلیم۔

Marfat.com

(۲) وراثت :-

کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں

انسان میں کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں جو مزاج اور طبیعت میں دخیل ہوتی ہیں اور سیرت سازی میں اثر انداز ہوتی ہیں جس طرح انسان کی ظاہری صورت ابتدا میں بنتے وقت اثر قبول کرتی ہیں اسی طرح معنوی صورت بھی اثر قبول کرتی ہے۔ اس مرحلہ میں چونکہ والدین زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کا اثر زیادہ پڑتا ہے پھر ان کے توسط سے تمام ان لوگوں کا جن کا والدین پر اثر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں وراثت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۱۷/۸۴ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر[1]

ڈول ہندی لفظ ہے جس کے معنی ابتدائی صورت، بناوٹ، ڈھانچہ وغیرہ ہیں۔

لفظ شاکلتہ سے استدلال اور لغوی تحقیق

"شاکلتہ" عربی میں شاکل کی مونث ہے جس کے معنی مثل، نظیر۔ مشابہت، مسلک۔ طریقہ۔ مذہب وغیرہ ہیں محاورہ ہے" لَسْتَ عَلٰى شَكْلِيْ وَلَا عَلٰى شَاكِلَتِيْ[2] (تو میرے مسلک اور طریقہ پر نہیں ہے) فِيْهِ شَكْلَةٌ اَوْ شَاكِلٌ مِنْ اَبِيْهِ[3]۔ (اس میں اپنے باپ سے مشابہت ہے)

امام راغب اصفہانیؒ آیت کے معنی یہ بیان کرتے ہیں۔

"ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر (ع" ہر کسے آن کند کز وشاید") یعنی اس

---

[1] ترجمہ شاہ عبد القادر صاحبؒ [2] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۷ [3] المنجد۔

Marfat.com

سجیہ (بناوٹ) پر کہ جس کا تم نے اسے پابند کیا ہے[1]۔

محققین ومفسرین کی رائیں | محققین اور مفسرین کی رائیں یہ ہیں،

مجاہدؒ نے "شاکلتہ" کی تفسیر "طبیعت" سے کی ہے۔ بعضوں نے وہ عادتیں مراد کی ہیں جن پر انسان کی ترکیب ہوئی ہے "عَلٰی عَادَتِهِ الَّتِیْ اَلِفَهَا" ابوبکر جصاصؒ نے لائق اور مشابہ کے معنی لئے ہیں[2]۔ مدارج السالکین کی شرح منازل السائرین میں بھی یہی معنی مذکور ہیں[3]۔

قاضی بیضاویؒ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

"ہر آدمی اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہدایت وضلالت میں اس کی حالت کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو جوہر روح اور مزاج بدن کی حالتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے[4]۔"

علامہ ابوحیان اندلسیؒ کہتے ہیں۔

"شاکلتہ" کے معنی اس طریقے اور روش کے ہیں جو انسان کی فطرت میں ودلیت کی گئی ہے[5]۔"

فرار نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں[6]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہتے ہیں۔

عَلٰی شَاكِلَتِهٖ اَیْ طَرِيْقَتِهِ الَّتِیْ جُبِلَ عَلَيْهِ[7]	اپنے اس طریقہ پر جس پر اس کی جبلت کی گئی ہے۔

---

[1] لغات القرآن [2] احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۵۵ - [3] منازل السائرین ج ۲ ص ۲۰ [4] بیضاوی ص ۹ [5] البحر المحیط جلد ۶ ص ۶۸ از لغات القرآن - [6] حوالہ بالا [7] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۰ و ۲۲

Marfat.com

ان تمام تصریحات سے بواسطہ یا بلا واسطہ مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

قوموں کے آبار واجداد کے تذکرہ سے وراثت پر استدلال

زیر بحث آیت کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی مقام پر بگڑی ہوئی قوموں (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے آبار واجداد کا تذکرہ ہے جس سے موجودہ لوگوں کی روش پر استدلال کیا گیا ہے۔

اس طریقۂ استدلال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کچھ صلاحیتیں اور خاصیتیں بذریعۂ وراثت یقیناً منتقل ہوتی ہیں۔ جن کا اثر طرز معاشرت رسم و رواج وغیرہ زندگی کے مظاہر پر بھی پڑتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آبار واجداد کے تذکرہ کے کوئی خاص معنی نہیں رہ جاتے ہیں۔

ذیل کی چند آیتوں میں وراثت کے اثرات کی طرف اشارہ ہے۔

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا $\frac{5}{104}$	وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔ $\frac{2}{170}$	وہ کہتے ہیں کہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے ہوئے پایا۔
وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ $\frac{43}{23}$	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین و آئین پر پایا انھیں کے نقش قدم کی ہم اقتدا کرتے ہیں۔

Marfat.com

یہ صحیح ہے کہ مذکورہ آیتوں میں ماحول کے اثرات پر روشنی پڑتی ہے لیکن وراثت کے ثبوت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چند حدیثوں سے وراثت کا ثبوت

چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے وراثت کا ثبوت ملتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ[1] — لوگوں کی مثال کان جیسی ہے سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح (ان کانوں سے مختلف قسم کے لوگ نکلتے ہیں)

یہ تشبیہ نہایت دور رس اور نتیجہ خیز ہے اصلاح و تربیت کے مسائل حل کرنے میں اس سے کافی مدد ملتی ہے۔

اَلْوُدُّ يُتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يُتَوَارَثُ[2] — دوستی اور دشمنی کے نشانات وراثۃً چلتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار جذبات کے سلسلہ میں لوگوں کی مختلف قسمیں بتائی ہیں اس سے بھی وراثت پر روشنی پڑتی ہے مثلاً غصہ کے بارے میں آپ نے فرمایا

(۱) بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۳) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۴) بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے[3]۔

---

[1] مسلم و مشکوٰۃ کتاب العلم [2] کنز العمال [3] ترمذی و مشکوٰۃ۔

Marfat.com

حقوق کی ادائیگی اور فرائض مطالبہ کے بارے میں آپ نے فرمایا
(۱) بعض ادائیگی میں نرم اور مطالبہ میں سخت ہوتے ہیں۔
(۲) بعض ادائیگی میں برے اور مطالبہ میں نرم ہوتے ہیں۔
(۳) بعض ادائیگی میں اچھے اور مطالبہ میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔
(۴) بعض ادائیگی میں برے اور مطالبہ میں بھی برے ہوتے ہیں[۵]۔

"اجتماعیات کے چند اقتباس" وراثت کے ثبوت میں اجتماعیات کے چند اقتباس یہ ہیں عملی زندگی کے موثرات کی تین قسمیں ہیں (۱) آباء واجداد و گذشتہ سلسلہ خاندان کا اثر (۲) ماں باپ کا اثر (۳) ملک جغرافیائی حدود آب وہوا اور گردوپیش کی چیزوں کا اثر۔

"قوم صرف مادیات میں اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کرتی بلکہ وہ ان کے جذبات واحساسات سے بھی متاثر ہوتی ہے"

"اخلاق ایک موروثی چیز ہے اور وراثت کو صرف وراثت ہی زائل کرسکتی ہے[۶]"

اجتماعیات ونفسیات" کے بعض ماہرین نے وراثت کو سب سے زیادہ قوی مؤثر قرار دیا ہے لیکن کسب وریاضت کا قانون اتنی اہمیت تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہیں ہے۔ ان ماہرین کے پاس زیادہ تر وہ تجربے ہیں جو رصدگاہوں میں چوہے۔ بندر وغیرہ حیوانات پر کیئے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ انسان کے بارے میں ہر موقع پر یہ تجربے کس طرح قطعی اور حتمی قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ قرآن حکیم نے انسان کو جس نگاہ اور بلندی کے ساتھ دیکھا ہے تحقیقات کی دنیا کے پاس

---

[۵] ترمذی ومشکوٰۃ [۶] انقلاب الامم ص۱۳۹۔

نہ وہ بلندی ہے اور نہ وہ ننگا۔ پھر کیسے دونوں میں توازن کی توقع ہوسکتی ہے؟

(٣) ماحول:-

انسان ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے

انسان شعوری وغیر شعوری طور پر ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ تاثر مزاج اور طبیعت میں دخیل بن جاتا ہے جس کا اثر اعمال و اخلاق میں نمایاں ہونے لگتا ہے۔

ماحول کی دو قسمیں ہیں (١) مادّی اور (٢) اجتماعی۔ مادّی ماحول میں زندگی کی ضروریات اور تفریحات داخل ہیں زمین۔ مکان۔ باغ۔ دریا۔ نہر۔ چشمہ۔ فضا، آب وہوا وغیرہ۔

اجتماعی ماحول میں تمدن اور مدنیت کو پیدا کرنے والی تمام چیزیں داخل ہیں مدرسہ۔ تعلیم۔ اخلاق۔ افکار و عقائد۔ ادب۔ فن پیشہ وغیرہ۔

قرآن حکیم سے ماحول کا ثبوت

مادّی ماحول کا ثبوت۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ ٨/٥

جو پاکیزہ شہر ہے وہاں رب کے حکم سے سبزہ نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس سے ناقص ہی نکلتا ہے۔

اجتماعی ماحول کا ثبوت۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۔ ١٥/٢

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے "مترفین" کو "حکم تکوینی" دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہوجاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کا

Marfat.com

قانون اُن پر لاگو ہوتا ہے اور
پھر ہم پاداش عمل میں انھیں ہلاک
کر ڈالتے ہیں۔

آیت میں "مترفین" سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جن کا عوام پر اثر پڑتا ہے خواہ وہ مذہبی و سیاسی لیڈر ہوں یا سرمایہ دار و خوش حال لوگ ہوں۔ عوامی مقبولیت کی وجہ سے تربیت و اصلاح کے مخاطب اولین ہمیشہ یہی لوگ رہے ہیں اور اپنے مفاد کی وجہ سے اس راہ میں رکاوٹیں بھی انھوں ہی نے پیدا کی ہیں۔

رسول اللہؐ کی حدیث سے مادی ماحول کا ثبوت

رسول اللہؐ کی حدیث سے مادّی ماحول کا ثبوت:۔

اِنَّ اللّٰہَ	اللہ نے دنیا کے ہر حصہ سے مٹھی بھر
خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَھَا	خاک لی اور اس سے آدم کو پیدا
مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ	کیا اس لئے انسان زمین کے اختلاف
بَنُوْ آدَمَ عَلیٰ قَدَرِ الْاَرْضِ	سے مختلف رنگ اور مختلف اخلاق
فَجَاءَ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ	کے پیدا ہوئے بعض سرخ بعض
وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ	سفید بعض سیاہ اور بعض متوسط
بَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ	درجہ کے اسی طرح بعض نرم
وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ[1]	مزاج بعض سخت مزاج بعض
	اچھے اور بعض برے۔

---

[1] ترمذی و ابو داؤد۔

Marfat.com

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا [1] جس نے دیہات میں سکونت اختیار کی اس میں سختی آ گئی۔

رسول اللہ کی حدیث سے اجتماعی ماحول کا ثبوت۔

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ [2] ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (یا ماحول) یہودی نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کی رائیں	ماحول کے اثرات کے بارے میں فلسفۂ اجتماع کے ماہرین کے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں۔

" انسان کے جسم اور اخلاق پر اقلیم۔ درجۂ حرارت۔ آب و ہوا۔ قحط و ارزانی وغیرہ تمام چیزوں کا اثر پڑتا ہے" . . . .

"تین چیزیں اجتماع سے الگ ہونے کے باوجود اس پر بہت اثر کرتی ہیں (۱) اقلیم (۲) جغرافیانہ ماحول اور (۳) مذہب" [3]

ڈاکٹر لیبان نے مادی ماحول کو کمتر درجہ کا مؤثر قرار دیتے ہوئے صرف اس صورت میں اثر تسلیم کیا ہے جب کہ قوم اپنے دور تکوین میں ہو اور قدیم موروثی اخلاق کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا ہو۔

البتہ اُس نے اجتماعی ماحول کو کافی اہمیت دی ہے۔ مثلاً مذہب کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ

---

[1] ابوداؤد و ترمذی [2] بخاری و مسلم [3] مقدمہ ابن خلدون المقدمۃ الخامسہ۔

Marfat.com

"تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے آج تک ہر نظام حکومت اور ہر نظام تمدن کا سنگ بنیاد مذہبی عقائد کی سطح پر رکھا گیا ہے"......

مذہب اس سرعت کے ساتھ اخلاق پر اثر ڈالتا ہے کہ اس معاملہ میں عشق کے سوا اور کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے[1]

یونان کے علاوہ قدیم و جدید فلسفیوں (ارسطو۔ بقراط۔ ابن سینا۔ ادیب۔ جاحظ۔ کندی۔ مورخ مسعودی، مونٹسکیو وغیرہ) نے مادی ماحول کو کافی اہمیت دی ہے[2]

پستالوزی کہتا ہے۔

"ہم نے جہاں تک دیکھا انسان کو اپنے ماحول کے اثر سے بنتے دیکھا"[3]

جہاں تک واقعات و مشاہدات کا تعلق ہے ماحول کا اثر وراثت سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ وراثت بھی ماحول سے کافی متاثر نظر آتی ہے جن خاصیتوں اور صلاحیتوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بذریعہ وراثت آئی ہیں اگر ان کی تحلیل کی جائے تو بیشتر حصہ ماحول کا پیدا کردہ دکھائی دے گا۔

(۴) تربیت:۔

تربیت کا مقصد ضبط نفس کی طاقت پیدا کرنا اور غلط اثرات سے بچانا ہے

حالات و مزاج کے اختلاف کی بنا پر تربیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے کسی خاص صورت پر بحث کرنی مشکل ہے البتہ اس کے اتجاہات اور مقصد پر بحث ہو سکتی ہے۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۱۳، ۲۹، ۱۳۰ و ۱۳۱ [2] ملاحظہ ہو ابن خلدون از ڈاکٹر طٰہٰ [3] فلسفۂ تمدن و تعلیم۔

Marfat.com

فلسفیوں نے تربیت کے مختلف مقاصد بیان کئے ہیں مثلاً افلاطون۔ ارسطو۔ مونٹسکیو کے نزدیک ایسے افراد تیار کرنا ہے، جو بہترین حکومت مرتب کرسکیں۔ ابن خلدون اور اسپنسر کے نزدیک ایسے اشخاص تیار کرنا ہو جو زندگی اچھی طرح بسر کرسکیں۔

قرآن حکیم کی نظر میں تربیت کے دو ہیں (۱) ضبط نفس اور جذبات وخیالات پر حکومت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ (۲) وراثت کے غلط اثرات سے بچنے اور ماحول پر قابو پانے کی ہمت ہو تاکہ نیابت کے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دے سکے۔

قرآن حکیم میں تربیت کی بنیاد یہ آیت ہے:۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ	اللہ ہی نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	میں کا ایک رسول بھیجا جو لوگوں کو
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	اللہ کی آیتیں سناتا ہے کتاب و حکمت
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو پاک
۶۲/۲	وصاف کرتا ہے۔

آیت میں "تزکیہ" سے عقائد وخیالات کی صفائی اور اعمال واخلاق کی درستی دونوں مراد ہیں۔ یعنی غلط نظریات وعقائد سے شیشۂ دل اور آئینہ دماغ کی صفائی کرکے صحیح اصول ونظریات ان کی جگہ بٹھائے جائیں اسی طرح برے اخلاق وگندے اعمال سے ہٹا کر اچھے اعمال وعمدہ اخلاق کا خوگر بنایا جائے۔

تربیت کے ذریعہ اوصاف وخصائص کے استعمال کا رُخ بدل سکتا ہے

رہی یہ بات کہ تربیت کا اثر کس حد تک ہوتا ہے؟ یہ اس کو فنی اصطلاحات سے ہٹ کر اس طرح سمجھنا چاہیے۔ انسان میں دو قسم کی صفتیں پائی جاتی ہیں (۱) وہ

Marfat.com

جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے ہے مثلاً غصہ اور شہوت کی کمی بیشی، ذکاوت وذہانت کند ذہنی، قوت یادداشت اور معاملہ فہمی وغیرہ۔

یہ صفتیں انسان کی سرشت اور خمیر میں داخل شمار کی جاتی ہیں قدیم اصطلاح میں انھیں "جبلت" کہا جاتا ہے اور جدید اصطلاح کے مطابق یہ نفسیاتی بنیادیں ہیں۔

اس قسم کی صفتوں میں تبدیلی تقریباً ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ غصہ اور شہوت کو تربیت کے ذریعہ ختم کر دیا جائے یا کند ذہن کو اعلیٰ قسم کا ذہین بنا دیا جائے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کے استعمال کا رخ پھیر دیا جائے اور ایک حد تک ان میں نکھار پیدا کر دی جائے جس سے مظاہرہ کی شکلیں بدل جائیں۔

رسول اللہؐ کی درج ذیل حدیث میں انھیں صفتوں کی طرف اشارہ ہے۔

اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ	جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں
عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْہُ وَاِذَا	سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو
سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ	صحیح مان لو لیکن کسی انسان کے
خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِہٖ	بارے میں سنو کہ اس کی خلقت بدل
فَاِنَّہٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَا جُبِلَ	گئی تو صحیح مانو کیونکہ بالآخر وہ اپنی
عَلَیْہِ[1]۔	جبلت کی طرف پھر لوٹ آئے گا

مطلب یہ ہے کہ کوئی جبلی صفت بالکلیہ ختم ہو کر اس کی جگہ دوسری نہیں آسکتی ہے لیکن اگر ان کے استعمال کا رخ پھر جائے اور مظاہرہ کی شکلیں بدل جائیں تو وہ اس حدیث کے خلاف نہ ہوگا۔

---

[1] مشکوٰۃ

Marfat.com

مشق وعادت چھوڑی جاسکتی ہے

(۲) جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے تو نہیں ہے لیکن بار بار کرنے سے ایسی مشق وعادت ہو گئی ہے کہ گویا طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔

ایسی صفتیں انسان کی اختیاری ہیں جس طرح قصد وارادہ سے عادت ڈالی گئی ہے اسی طرح جبر وسختی کے ذریعہ عادت چھوڑی جاسکتی ہے[1]۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان سے یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ	لوگ سونے اور چاندی کی کانوں
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ	کے مثل ہیں جو زمانہ جاہلیت میں
فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ	اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے
فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا	ہیں جب انھوں نے تفقہ حاصل کیا۔

کلام عرب میں فقہ اور تفقہ کا استعمال عموماً وہاں ہوتا ہے جہاں قلبی بصیرت اور ضمیر و وجدان کی۔ بیداری کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اسی بنا پر قرآن حکیم کی آیت

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ﴿۱۷۹﴾ ان کے پاس دل ہیں مگر تفقہ سے خالی ہیں

میں منکرین حق کی اس سمجھ بوجھ سے انکار کیا گیا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے ربسا اوقات انسان عقل وخرد کی بلندی پر پہنچنے کے باوجود قلبی بصیرت سے محروم رہتا ہے)۔ اگر تربیت سے اوصاف وخصوصیات کے استعمال میں تبدیلی نہ تسلیم کی جائے تو اِذَا فَقِهُوا کی قید حدیث میں بے کار ہوتی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کی زندگی میں رسول اللہ

---

[1] کشف الظنون واخلاق جلالی ص۱۲۱تا۱۴۰۔

Marfat.com

کی تربیت کا جو اثر ظاہر ہوا تھا وہ یہی تھا کہ صلاحیتوں اور خاصیتوں کے استعمال کرنے کے مواقع بدل گئے تھے. سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ میں تبدیلی ہوگئی تھی. ورنہ حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ وغیرہ وہی تھے جو اسلام سے پہلے تھے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تربیت کا اثر دونوں قسم کی صفتوں میں ظاہر ہوتا ہے پہلی میں استعمال کا رخ پھرتا ہے مظاہرہ کی شکل بدل جاتی ہے اور دوسری میں مشق و عادت چھوٹ جاتی ہے۔

جسمانی ساخت پر ذہنی ساخت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے

یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جب جسمانی تربیت سے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو ذہنی تربیت سے ذہن میں بھی تبدیلی نہ ہونی چاہیے اس لئے کہ انسان کی ذہنی ساخت قوت ارادی کی بنا پر جسمانی ساخت سے کہیں زیادہ لچکدار اور جذب و انجذاب کو قبول کرنے والی ہے اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم اپنی سختی اور بے لوچ ہونے کے باوجود جسمانی تربیت سے ایک حد تک سڈول اور خوشنما بن جاتا ہے ایسے ہی جسم کے کسی حصہ کو غلط استعمال کرتے رہنے کی وجہ سے وہ بے ڈول اور کسی قدر بدنما ہوجاتا ہے جب مشق اور عادت سے جسم میں یہ تبدیلی مسلم ہے تو ذہن اور نفس میں ذہنی اور نفسی تربیت سے مذکورہ تبدیلیاں تسلیم کرنے میں کون سی دشواری ہے؟ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی ٹھیک تربیت ہوتی ہے تو داخلی و خارجی غلط اثرات کے پردے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور انسان کا وہ فطری شعور و وجدان بیدار ہوجاتا ہے جو ابتدائی مرحلہ میں ہر انسان کو بلا تفریق منجانب عطا کیا جاتا ہے اس کے بعد اعمال و افعال میں فطری حالت کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔

Marfat.com

لیکن اس کے لئے ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو نفسیات کی ماہر ہو اور انسانی مقام و مزاج کی اداشناس ہو۔ اگلے باب میں ہم قائدین کے اوصاف و خصائص بیان کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ بنیادی صلاحیتوں کے بیدار کرنے غلط اثرات پر قابو پانے اور فکر و عمل کی صحیح حد مقرر کرنے کے لئے کس قسم کی قیادت درکار ہے نیز قرآن حکیم نے قیادت کے اہم کام کو کس بلندی سے دیکھا ہے؟

Marfat.com

قائدین کی تربیت اور اوصاف و خصائص

"قائدین" چونکہ روحوں اور دلوں کی بستیاں الٹ کر ان میں ایمان و اعتقاد کی قوت بھرتے ہیں اور ذہنی و اخلاقی استعداد کی تربیت کر کے فکر و عمل کی نئی دنیا بساتے ہیں اس لئے قوم کی روح اور جان دراصل یہی حضرات ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک قوم کو صحیح قیادت نہ میسر ہو اس وقت تک نہ اُس کی ٹھیک تنظیم و تربیت ہو پاتی ہے اور نہ ہی وہ نیابت کے مقدس فرائض کی بجا آوری کے قابل بنتی ہے۔

جس طرح گاڑی چلانے کے لئے جب تک تجربہ کار ڈرائیور نہ ہو اس وقت تک نہ اسٹیم (جذبات) کی طاقت منزل مقصود پر پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی لائن (نظام) کی درستی و ہمواری کچھ مفید بنتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں انبیاء کرام کی زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے وہ اپنی معنویت کے لحاظ سے قیادت کے نہایت اونچے مرتبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہاں ہم ان میں سے چند بنیادی باتیں بیان کرتے ہیں۔

وہ چھ ہیں :-

(۱) تربیت (۲) صلاحیت (۳) فنائیت (۴) عملیت (۵) اخلاقیت (۶) قوت استدلال و بیان۔ قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی بالترتیب تفصیل

Marfat.com

حسب ذیل ہے۔[1]

قائدین کی تربیت کی دو صورتیں ہیں

(۱) پہلی تربیت ہے۔ دوسروں کی تربیت کرنے سے پہلے خود قائدین کی تربیت ہونی ضروری ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی قائد کی قیادت میں رہ کر انسانی مزاج اور حالات کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہو۔ موقع کے لحاظ سے بعض جذبات کو دبانے اور بعض کو بروئے کار لانے کی ٹریننگ پائی ہو۔ سطح سے ہٹ کر گہرائی پر نظر ڈالنے اور تقلید وجمود کی جگہ تنقیدی شعور سے کام لینے کی مشق ہو۔ ماضی کی عظمتوں سے محض عقیدت رکھنے کے بجائے ان کی محرکات اور روح کو سمجھا ہو اور حال کی پرفریب امیدوں میں گم ہونے کے بجائے صحیح زاویۂ نگاہ متعین کرنے کا انداز سیکھا ہو۔ غرض اس طرح ان کی تربیت ہوئی ہو کہ ہر موقف اور ہر موڑ کو سمجھ کر صحیح راہ عمل تلاش کر سکتے ہوں۔

(۲) قائد کی قیادت تو نہ میسر آئی ہو لیکن زندگی کے حالات کچھ اس قدر مختلف گذرے ہوں کہ زمانہ خود معلم بن گیا ہو۔ گردش کے ماحول نے غور و فکر کی نئی نئی راہیں پیدا کی ہوں اور ان میں قطع و برید کر کے انسانی مزاج اور اس کی ضروریات کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے ہوں، مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ معاملت نے زندگی

---

[1] اجتماعیین نے لیڈروں کے اعمال و خصائص پر کافی بحث کی ہے جس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ہے یہاں ہم اس لئے گریز کر رہے ہیں کہ قرآن حکیم نے جس باریک بینی اور دقیقہ رسی سے کام لے کر اس بحث کو بلندی پر پہنچایا ہے ان کے یہاں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۲۔

یں اس قدر ہمواری پیدا کردی ہو کہ ضبط و تحمل کے ساتھ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں کام کر سکتے ہوں اور انھیں ایک مرکز پر جمع کر سکتے ہوں یعنی قدرتی طور پر ان کی ایسی تربیت ہوئی ہو کہ ذہن و دماغ کا ایک خاص سانچہ اخلاق و عمل کا ایک خاص نقشہ اور احوال و ظروف کا ایک خاص انداز سامنے آگیا ہو۔

انبیاء کرام کی زندگی میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں

تربیت کی مذکورہ دونوں صورتوں کی مثالیں انبیاء کرام کی زندگی میں بکثرت ملتی ہیں بعض کی تربیت کسی دوسرے نبی کے پاس کی گئی تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حضرت شعیبؑ کے پاس مدین بھیجا گیا اور وہاں بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد کی گئی اور بعض کی حالات و مقامات کی مناسبت سے قدرتی طور پر کی گئی تھی مثلاً یوسف علیہ السّلام کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اور جس قدر کڑی آزمائشوں سے انھیں گذارا گیا وہ سب ایک خاص مقام تک پہنچانے اور قیادت کی استعداد پیدا کرنے کے لئے تھا۔

اسی طرح بالعموم انبیاء علیہم السّلام کا ان حالات سے گذرنا جو عام لوگوں کو نہیں پیش آتے ہیں۔ عمر کا کافی حصہ گذرنے کے بعد نبوت کے عہدہ سے سرفراز کیا جانا نیز نبیؑ کے ذمہ بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد ہونا۔ عہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

عہ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے پوچھا گیا

أكنتَ ترعى الغنم قال نعم وهل من نبي إلا رعاها۔

(مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

کیا آپ نبوت سے پہلے بکریاں چرتے تھے فرمایا ہاں "کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ (باقی حاشیہ ص ۴۴ پر)

Marfat.com

کا کتاب ملنے سے پہلے روزہ کی حالت میں کوہ طور پر رہنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھ کر ایک سنسان جنگل میں عرصہ تک رہنا خود رسول اللہ (فداہ ابی وامی) کا نبوت سے پہلے غار حرا میں عزلت گزینی اختیار کرنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا وغیرہ یہ سب تربیت کے لئے تھا۔

یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نبوت کسبی شے ہے جس تک انسان تربیت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے وہ یقیناً وہبی شے ہے جس میں انسان کے قصد و ارادہ اور سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں ہے البتہ منشار نبوت کے مطابق یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ وحی کی استعداد پیدا کرنے اور عملی شکل میں متشکل کرنے کے لئے مختلف قسم کے ریاضیات و مجاہدات کے ذریعہ نبی کی تربیت کی جائے۔

قرآن حکیم سے قائدین کی تربیت کا ثبوت

قائدین کی تربیت کے سلسلہ میں یہ آیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ	اے موسیٰ۔ ہم نے تمھیں ہر طرح
سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ	کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا پھر
ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى	کئی برس تک تم مدین کے لوگوں
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۲۰/۴۱	میں رہے بالآخر تم ایک مقررہ
	اندازہ پر پورے اتر آئے پھر ہم نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) بکریاں چرانے سے جذبات کی کیسی تربیت ہوتی ہے اور قیادت قوم کی تربیت کے لئے "رعایت شاہ" کس قدر موزوں ہے؟ اس کو وہی لوگ ٹھیک سمجھ سکتے ہیں جو بکریوں کی "نفسیات" سے واقف ہیں یا اس کام کا انھیں کچھ تجربہ ہے۔

Marfat.com

تمھیں اپنے (خاص کام کے لئے) منتخب کر لیا۔

"علیٰ قدر" سے ثابت ہوتا ہے کہ قیادت قوم کے لئے ایک خاص سانچہ اور انداز کے مطابق بننے کے بعد قدرت کی جانب سے انتخاب ہوتا ہے۔

مفسرین نے "علیٰ قدر" کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔

قَدَّرْنَا لَكَ سَبِيْلَ الْمَعْرِفَةِ	ہم نے تیرے واسطے معرفت کے راستے
وَوَقْتَهَا فَجِئْتَ عَلٰى ذٰلِكَ	اور اس کے وقت کا اندازہ کیا پس تو
الْقَدَرِ	اس اندازہ کے مطابق پورا اترا
عَلٰى حَدٍّ مِنَ الْكَمَالِ الْمُقَدَّرِ	اپنی استعداد کے مطابق کمال مقدر
بِحَسْبِ اسْتِعْدَادِكَ [۵]	کی حد پر تو پہنچ گیا۔

دوسری آیت سے مذکورہ مفہوم کی اشارۃً تائید ہوتی ہے۔

قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں
عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ	قرآن تمھیں نہ سناتا اور نہ اس سے
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ	خبردار کرتا پھر اس معاملہ (نبوت)
قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ ۔ ۔	سے پہلے تم لوگوں میں ایک پوری
[۱۶/۱۷]	عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

علماء اخلاق و نفسیات کا اتفاق ہے کہ انسان کے ابتدائی چالیس سال کا زمانہ اخلاق و خصائل کے بننے اور ابھرنے کا زمانہ ہوتا ہے۔

نیز جذبات کے ماہرین کی رائے ہے کہ انسانی دماغ کا نشو و نما چالیس

---

[۵] تفسیر عرائس البیان ج ۲ ص ۳۲ [۶] تفسیر محی الدین ابن عربی ج ۲ ص ۳۶۔

سال کی عمر میں تکمیل کو پہنچ جاتا ہے[1]

اس اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک لوگوں میں رہے خاص سانچہ کے مطابق آپ کی تربیت ہوئی اور خاص اندازہ کے مطابق اعمال و اخلاق کی ڈھلائی ہوئی پھر نبوت کے اعلان کا حکم ہوا۔

(۲) دوسری صلاحیت ہے۔

قائدین میں کام اور مقام کی مناسبت سے صلاحیت ہونی چاہیئے

قائدین میں صلاحیت ان کے کام اور مقام کی مناسبت سے ہونی چاہیئے وہ دراصل روح اور دل کے طبیب ہوتے ہیں ان کا کام مزاج اور طبیعت کی اصلاح ہے۔ ذہنیت اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی ہے اس بنا پر ان میں ایسی صلاحیت درکار ہے کہ وہ مزاج اور وقت کی اہم ضروریات کو سمجھ سکیں اور تشخیص و تجویز کے مراحل طے کر کے باقاعدہ تربیت کے ذریعہ انسان کو نیابتی فرائض کی بجا آوری پر لگا سکیں۔

روحانی طبیب کا معاملہ بالکل جسمانی طبیب جیسا ہے کہ اس کے پاس ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں ایک کے لئے وہ سرد اور گرم غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے لئے اس کے برعکس۔ مقصد ایک ہے طبیعت میں قوت مدافعت پیدا کر کے مرض دفع کرنا لیکن مزاج کے اختلاف کی بنا پر دوا اور غذا کی تجویز میں اختلاف ہوتا ہے۔

قائدین کی صلاحیت کے لئے قرآن حکیم میں دو لفظ نہایت موزوں

---

[1] فلسفۂ جذبات ص ۴۲۔

آئے ہیں (۱) حکمت ... (۴) تاویل الاحادیث۔

لفظ حکمت سے صلاحیت پر استدلال

تقریباً سبھی انبیاء علیہم السّلام کے تذکرہ میں حکمت کا ذکر ملتا ہے اور درج ذیل آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمت دوسرے انسانوں کو بھی عطا ہوتی ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ	اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا
وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ	ہے اور جس کو حکمت کی دولت مل گئی
اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۲/۲۶۹	تو (سمجھو) کہ بڑی دولت مل گئی۔

امام راغب اصفہانی حکمت کی تعریف میں کہتے ہیں

وَالْحِکْمَةُ اِصَابَةُ الْحَقِّ بِالْعِلْمِ	علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح
وَالْعَقْلِ[1]	بات کو پہنچنا حکمت ہے۔

لسان العرب میں ہے۔

وَالْحِکْمَةُ عِبَارَةٌ عَنْ مَعْرِفَةِ	افضل اور بہترین چیزوں کو بہترین
اَفْضَلِ الْاَشْیَاءِ بِاَفْضَلِ الْعُلُوْمِ[2]	علوم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے۔

مفسرین کی تصریحات درج ذیل ہیں۔

(۱) "حکمت" ہر شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت "وَضْعُ کُلِّ شَیْءٍ مَوْضِعَہٗ"

(۲) حقائق اشیاء کی معرفت "مَعْرِفَةُ الْاَشْیَاءِ بِحَقَائِقِھَا"

(۳) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت "اَلْفَصْلُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ"

---

[1] مفردات القرآن ص۱۲۷ [2] لسان العرب ج۱۵ از سیرۃ النبی ج ۴۔

Marfat.com

(۴) قول اور عمل میں درستی کو پہنچنا "اَلْاِصَابَۃُ فِی الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ"[۱]

(۵) وہ معارف واحکام جن سے نفوس انسانی کمال کو پہنچیں "مَا یُکَمِّلُ نُفُوْسَ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْاَحْکَامِ"

ان کے علاوہ بھی بہت سے معنیٰ مفسرین سے منقول ہیں مثلاً

(۶) انوار قلوب کی معرفت اور اسرار غیوب سے واقفیت (۷) نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی (۸) شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت (۹) عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت (۱۰) برائیوں کی صحیح نشاندھی کرکے علاج کی صحیح تدبیریں (۱۱) مخلوق کے احوال کا علم (۱۲) خاص قسم کی فراست (دیانہ شناسی) وغیرہ۔[۲]

علامہ ابن مسکویہؒ نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں۔

ذکاوت وذہانت۔ سرعت فہم۔ قوت فہم۔ ذہن کی صفائی۔ عقل کی رسائی سہولت تعلم۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ

وَبِھٰذِہِ الْاَشْیَاءِ یَکُوْنُ حُسْنُ الْاِسْتِعْدَادِ لِلْحِکْمَۃِ[۳]	انھیں چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حکمت ایسی قوت کا نام ہے کہ اس کے ذریعہ حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ہر شئے کو مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے حکمت حاصل ہونے کے بعد انسان کی توجہ اخلاق انسانی کی تہذیب پر مرکوز ہوجاتی ہے اور ساری جدوجہد انسان کا اصلی مقام واپس دلانے میں صرف ہونے لگتی ہے۔

---

[۱] تفسیر خازن ص۳۰۵، تفسیر مظہری ص۳۸۲ [۲] عرائس البیان فی حقائق القرآن ص۱۰ [۳] تہذیب الاخلاق ص۱۰

Marfat.com

تاویل الاحادیث سے صلاحیت پر استدلال	"تاویل الاحادیث" کا تذکرہ حضرت یوسف علیہ السّلام ۔ ذیل میں آیا ہے ۔

وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۱۲/۶
اور تیرا رب یہ سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا مطلب اور تفہیم کیونکر ٹھہرایا جائے ۔

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر بھی "تاویل" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی "شئے کو اصل کی طرف رجوع کرنا اور اصل مقصد کی طرف لوٹانا ہیں" [۱]

"زجاج" نے "تاویل الاحادیث" کا یہ مطلب بیان کیا ہے ۔

"اقوال انبیاء کے مصداق کو جاننا احوالِ امم کے مآل کو سمجھنا اور کتب منزلہ کے مفہوم و مطالب کو پہنچنا" [۲]

"ابن زید" نے اس سے علم و حکمت مراد لیا ہے [۳]

خلاصہ یہ کہ علم و بصیرت کی ایسی قوت عطا ہو کہ انسان معاملہ کی کنہ تک پہنچ جائے ۔ بات کے مطلب اور مآل کو پالے امور اور مہمات کے بھیدوں کا روشناس بن جائے غرض ہر الجھی ہوئی گتھی کو اس طرح سلجھا دے کہ ساری باتوں کا کل درست ہو جائے ۔

"ذی العلم والجسم" سے صلاحیت پر استدلال	درج ذیل آیت میں صراحۃً قیادت کی صلاحیت بیان ہوئی ہے ۔

[۱] ملاحظہ ہو مفردات القرآن اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۲ [۲] تفسیر خازن ج ۳ [۳] ایضاً ۔

وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ ۲/۲۴۸ اللہ نے علم اور جسم دونوں میں طاقت کو وسعت دی۔

جو لوگ مال و دولت کی وسعت اور خاندانی شرافت میں قیادت کی صلاحیت سمجھتے تھے آیت میں اللہ نے اُس کی تردید فرمائی اور اس کے لئے دو چیزیں ضروری قرار دیں (۱) علم کی قوت اور (۲) جسم کی قوت (دماغی وجسمانی قابلیت)

علم سے کوئی خاص قسم کا اصطلاحی علم مراد نہیں ہے بلکہ کام اور مقام کی مناسبت سے ذہانت و فراست اور فہم و تدبر وغیرہ کی استعداد مراد ہے اسی معنی میں بعض انبیاء کو ابتدا ہی سے علیم کے خطاب کے ساتھ نوازا گیا تھا حالانکہ علم (وحی الٰہی) کا سلسلہ نبوت کے عالی مقام پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوا تھا۔ مثلاً وَبَشَّرُوْہُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۵۱/۲۸ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۱۵/۵۳

ایسے ہی جسم سے اس کی لمبائی چوڑائی مقصود نہیں ہے بلکہ صورت وسیرت کا اعتدال اور اندرونی قویٰ کی پختگی ومضبوطی مراد ہے۔ فرائض قیادت کی انجام دہی میں اِن دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کردار کی بلندی کے ساتھ انسان کی ظاہری صورت کا پرکشش ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اندرونی قویٰ کی پختگی کے بغیر تو کوئی مسند قیادت سنبھالنے کا اہل ہی نہیں قرار دیا جاتا۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اسی بنا پر آیت میں علم وجسم دونوں سے وہ کمالات حقیقیہ مراد لئے ہیں جو جوہر انسانی کو حاصل ہوتے ہیں اور انسانیت

کو فروغ دیتے ہیں۔ ۵

(۳) تیسری فنائیت ہے۔

> فنائیت یہ ہے کہ قائدین کے دل و دماغ میں نظریۂ حیات سے عشق سمایا ہوا ہو

فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ قائدین جس نظریۂ حیات کی قوم کو دعوت دیں وہ ان کے دل و دماغ میں اس قدر رچ بس گیا ہو کہ اب کسی اور کی گنجائش نہ ہو۔ اسی سے عشق ہو اور اسی کی نشر و اشاعت کو ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ نہ کسی مصیبت کی انہیں پرواہ ہو اور نہ کوئی توقع اس راہ سے ہٹا سکتی ہو۔ انبیاء کرام کی زندگی فنائیت کے اونچے سے اونچے نمونہ کی مثال پیش کرتی ہے۔ خود داعی انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف ہر بڑی سے بڑی تکلیف کیا انگیز کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ سے ہر اونچی سے اونچی خواہش کی تکمیل کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے جب بھی میرے پائے استقامت کو لغزش نہ آئے گی۔"

> فنائیت کے چند اثرات جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں

ذیل میں فنائیت کے چند اثرات ذکر کئے جاتے ہیں جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں۔

(۱) ارادہ میں پختگی ۶ (۲) عزم میں مضبوطی (۳) ...

---

۵ تفسیر کبیر ص ۲۸۰۔

۶ خواہش اور ارادہ میں فرق ہے ارادہ ایک فعلی اور کارکن کیفیت و حالت کا نام ہے اور خواہش ایک انفعالی اور کار پذیر حیثیت ہے (مقالہ افادیت از جان اسٹوارٹ مل) ارادہ کے لئے عمل شرط ہے بلکہ ارادہ کی انتہا عمل کی ابتدا ہوتی ہے (فلسفہ نفس ص ۳ ربانی ص ۵۲ پر)

کے ساتھ والہانہ شغف (۴) محبہ ایثار و قربانی (۵) ذاتی حیثیت ختم کر کے ساری جدوجہد اور قوت کا مصرف نفع عام (۶) خلوص و بے غرضی (۷) اقتدار عزت، شہرت مال و جائداد کی ہوس غرض کسی فائدہ کا سامنے نہ ہونا۔

قرآن حکیم میں جتنے انبیاء کا تذکرہ ہے تقریباً سب نے بے غرضی اور قوم سے کسی قسم کی ذاتی فائدہ کی توقع نہ رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے اپنی قوم سے کہا

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
پ ۱۹

میں اپنی خدمتوں کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتا میری مزدوری اللہ کے ذمہ ہے۔

(یعنی میری حیثیت تاجر (سیاسی لیڈر) کی نہیں ہے کہ توقعات قوم سے وابستہ رکھوں۔ بلکہ داعی و قائد کی ہے کہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

ممکن ہے قائدین کی یہ حیثیت ان فلسفیوں کی سمجھ میں نہ آئے جنہوں نے انسان کو بالطبع خودغرض قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ " انسان کے سارے کام نفع ذات کے لئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ماں باپ کی محبت بھی خودغرضی سے خالی

(بقیہ حاشیہ ص ۵۱) علماء اخلاق کی رائے ہے کہ انسان کا مستقبل وراثت اور ماحول سے کہیں زیادہ اس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ ارادہ کے مختلف درجے ہیں کسی کا فطرتاً قوی ہوتا ہے کسی کا کمزور اور کسی کا متوسط درجہ کا جسم کی طرح ارادہ بھی تربیت کے ذریعہ کمزور سے ایک حد تک قوی اور قوی سے قوی تر بنایا جا سکتا ہے لیکن اس تربیت کے لئے بہترین زمانہ بچپن کا زمانہ ہے ترقی یافتہ ممالک میں کچھ لوگ تیسرے چوتھے برس سے ہی بچہ کی حتی المقدور ایسی تربیت شروع کر دیتے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

نہیں ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ انھوں نے کہا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے؟ اور ان کی تحقیقات پر انسانی دنیا کے سارے مسائل ختم ہو گئے ہیں اب مزید تحقیق کی کوئی گنجائش نہیں باقی ہے؟ اگر ہم فلسفیوں کی اس تحقیق کو تسلیم کر لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں پیش آتی ہے کیونکہ قائدین کے پیش نظر مادی و دنیوی غرض نہیں ہوتی ہے حقیقی غرض (اللہ کی رضا و محبت) بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی کو "وجہ اللہ" "سبیل اللہ" "مرضات اللہ" سے تعبیر کیا ہے،

قائدین کی زندگی میں فنائیت کا ایک اور اثر ظاہر ہوتا ہے جو نہایت اہم ہے اور غالباً فلسفیوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکی ہے وہ یہ کہ اس راہ کی تکلیفیں اور مصیبتیں ان کے لئے عیش و راحت کی نئی لذت بن جاتی ہیں جس قدر مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر دل کی خوشحالی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

نہایت اہم اثر یہ ہے کہ تکلیف و مصیبت میں عیش و راحت کی لذت محسوس کریں

ذیل کی حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں
اِنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ	میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں
اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ	کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں
اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ[۱]	پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں

[۱] بخاری وغیرہ۔

Marfat.com

پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں۔

مسرت اور خوشی انسانی جبلت میں داخل ہے چنانچہ فلسفیوں کے نزدیک انسان کسی ایسی چیز کی خواہش ہی نہیں کرتا جو مسرت کا جز۔ یا اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ نہ ہو[لہ]

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قائدین کو مسرت کن چیزوں سے حاصل ہوتی ہے؟ سامان مسرت کس قسم کے ہیں؟

(۴) چوتھی علمیت ہے۔

علمیت یہ ہے کہ قائدین نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل بن جائیں

علمیت یہ ہے کہ نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے قائدین سرتاپا عمل بن جائیں اُن کے سامنے راہ کی مشکلات اور رکاوٹیں اس لئے نہ ہوں کہ پائے استقلال کو لغزش آجائے اور اُٹھا ہوا قدم رک جائے بلکہ اس لئے ہوں کہ وہ ان کے ذریعہ کام کی رفتار اور تیز کرسکیں۔

قائدین اور مفکرین کے کاموں میں فرق ہے۔ قائدین کا کام خیالات و افکار پیدا کرکے انھیں بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل بن جاتا ہے اور مفکرین کا کام صرف خیالات و افکار کا پیدا کر دینا ہے۔ قائدین کا فرض یہ ہے کہ نظریۂ حیات کے پھیلانے اور دنیا سے منوانے میں اپنی پوری قوت صرف کردیں اور مفکرین کا فرض یہ ہے کہ وہ خود سمجھ لیں اور زیادہ سے زیادہ دوسروں تک پہنچا دیں یہ واقعی بات ہے کہ فکر و عمل میں جامعیت کی مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

لہ مقالہ افادیت ص۱۶ و ۴۹ از جان اسٹوارٹ مل۔

Marfat.com

اسی بنا پر اجتماعیین کا خیال ہے کہ

"لیڈر عموماً ایسے افراد نکلتے ہیں جن کے اعصاب مریض قوائے عقلی مختل اور جنون کے قریب ہوتے ہیں۔ اعصاب کی بے حسی ان کے جذبات کو مردہ کر دیتی ہے اور قوائے عقلی کا اختلال انھیں غور و فکر کی اجازت نہیں دیتا"[1]

لیڈروں کی اس کمزوری سے انکار نہیں ہے البتہ قائدین میں دونوں قوتوں کا ثبوت انبیاء کرام کی زندگی سے ہمیں ملتا ہے۔ یہ حضرات اگر ایک طرف دماغی لحاظ سے اتنے زیادہ بلند تھے کہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے تو دوسری طرف عمل کے ہر میدان میں بھی پیش پیش دکھائی دیتے تھے۔

قرآن حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے عملیت کا ثبوت

جن اجتماعیین کا خیال ہے کہ ذہن و ذکاوت اور فہم و فراست میں انبیاء علیہم السّلام ممتاز نہ تھے صرف مضبوط عزم کی بنیاد پر دنیا ان کے آگے جھکی ہے۔ انھوں نے ان کی زندگی کے صرف ایک رُخ کا مطالعہ کیا ہے اس میں شک نہیں کہ مضبوط عزم پہاڑ جیسی طاقت کو ہٹا سکتا ہے نمرود و فرعون جیسی سرکش گردن کو موڑ سکتا ہے لیکن کسی انقلاب کو بقاء اور دوام کی سعادت سے بہرہ یاب نہیں کر سکتا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ انقلاب کے رگ و ریشہ میں فہم و فراست پیوست کی گئی ہو۔ آج جو ان کے مذہب کو بقاء و دوام کی سعادت حاصل ہے اس کی وجہ صرف ان کا فہم و تدبر ہے جو منجانب اللہ انھیں عطا ہوا تھا ورنہ نہ معلوم مضبوط عزم کی بنا پر دنیا

---

[1] روح الاجتماع ص۱۳۸۔

Marfat.com

میں کتنے انقلاب آئے اور ختم ہو کر رہ گئے۔

عملیت کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ	جو لوگ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے
وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ	ہیں وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں
اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ	اس کے سوا کسی اور سے نہیں
. . . . ۳۳/۳۹	ڈرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دھڑک پیغام ربانی پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا	اے پیغمبر آپ کے رب کے پاس سے
اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۔	جو کچھ اترا ہے اُسے آپ پہنچا دیجئے۔
وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ	اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغام
رِسَالَتَہٗ ۔ پ	پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا۔

بدقسمتی سے انبیاء کرامؑ کی اتباع و پیروی کے نام پر زیادہ تر وہی باتیں باقی رہ گئی ہیں جن سے جذبات اور ہوا و ہوس کی تسکین ہوتی ہے اس وجہ سے ان کی حقیقی زندگی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے ورنہ کوئی موڑ کوئی موقف اور کام کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں یہ موجود نہ رہے ہوں۔ اس کے علاوہ آج ہماری زندگی کچھ اس طرح تقسیم ہو گئی ہے کہ انسان کسی کے بارے میں سوائے ایک حالت کے دوسری حالت کے متعلق خیال ہی نہیں کر سکتا ہے اس لئے جب بھی ان بزرگوں کی عملی زندگی کا تذکرہ آتا ہے تو ہمارے

Marfat.com

تنگ دماغ اور کوتاہ نظریں ان کو اصلی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔

(۵) پانچویں اخلاقیت ہے۔

قائدین کی اخلاقی زندگی نہایت منظم ہونی چاہیئے

اخلاق میں تسخیر قلوب کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے قائدین کی اخلاقی زندگی اتنی منظم اور بلند ہونی چاہیئے کہ کسی کو کسی گوشہ میں اس لحاظ سے لب کشائی کا موقع نہ ملے۔ عالی حوصلگی فراخدلی۔ اولوالعزمی۔ بلند ظرفی، مستقل مزاجی وغیرہ صفتیں ان کی زندگی میں نمایاں ہوں۔ دیانت داری، امانت شعاری، حق پرستی، حق گوئی وغیرہ صفتوں کے وہ خوگر ہوں۔ ان کی سخاوت سے سب مستفیض ہوسکیں۔ شفقت درافت میں کسی کی خصوصیت نہ ہو۔ تواضع ہر ایک کو اپنی گود میں لینے کے لئے تیار ہو۔ سموائی اس قدر ہو کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں قدر مشترک تلاش کرکے اپنا کام نکال لیں۔ اور ہر ایک کے مقام وحیثیت کو تسلیم کرکے اپنی بات منوالیں۔

غرض بحیثیت مجموعی ہمہ قسم کے اخلاق ان میں موجود ہوں (۱) وہ بھی جن کا تعلق ادراک سے ہے (۲) وہ بھی جن کا تعلق جذبات سے ہے (۳) اور وہ بھی جن کا تعلق ارادہ سے ہے۔

انبیاء کرام کے اخلاق بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل ہوتے ہیں

انبیاء کرامؑ کی اخلاقی زندگی اتنی بلند تھی کہ وہ بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل تھی۔ قرآن حکیم میں ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ   اے پیغمبر یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ

Marfat.com

لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
آپ لوگوں کے لئے نرم دل واقع ہوئے ہیں اگر سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ [۱۵۴/۲]

دنیا جانتی ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ اس کے باوجود جب آپ مدینہ تشریف لائے اور مکہ کے دشمن قحط میں مبتلا ہوئے تو حسب ذیل طریقوں پر ان کی مدد فرما کر انتہائی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔

(۱) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی حسب سابق اس کو جاری کر دیا۔

(۲) غربار و فقرار کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں روانہ کیں۔

(۳) ضرورت کے مختلف سامان کھجور وغیرہ ابوسفیان کو بھیج کر اس کے معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کیں تاکہ درآمد و برآمد کا صحیح توازن قائم رہ سکے[۱]

قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا مرقع تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس میں دراصل سیرت و کردار کی فضیلت اور اس کی اٹل کامرانیاں بتانا مقصود ہے نیز یہ حقیقت کہ انسان کی سب سے بڑی قوت اس کے سیرت کی فضیلت ہے اور قلوب کے مسخر کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت

---

[۱] اسلام کا زرعی نظام ص ۸۳۔

Marfat.com

قائدین کو ہر وقت جذبات قابو میں رکھنا چاہیئے

ذیل کی آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قائدین کو ہر وقت جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے مصیبتوں کے کتنے ہی پہاڑ ٹوٹیں مخالفتوں کی کیسی ہی آندھیاں چلیں نہ تو وہ مایوس ہوں اور نہ ہی دل میں طلب بھلائی کے سوا کسی اور جذبہ کو جگہ دیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۲/۱۲۳)	اے پیغمبر آپ کو دشمنوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے آپ کا کام راہ حق کی دعوت دینا ہے اللہ چاہے تو ان سے درگذر کرے اور چاہے تو عذاب دے عذاب اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

یہ اس صورت کی بات ہے کہ دشمنوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت توڑ دیئے تھے۔ چہرہ و سر کو زخمی کر دیا تھا اور شہید کر دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے۔ "كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ"[۵] "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو لہولہان کیا" بات کوئی قابل اعتراض نہ تھی صرف حقیقت حال کا اظہار تھا لیکن یہ اظہار ایسے حادثہ کے بعد تھا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو پیش آیا تھا جس میں ذاتیات کی آمیزش کا شبہہ تھا اس بنا پر ایک خاص انداز میں تادیب کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قائدین

---

[۵] جلالین ص ۵۸۔

Marfat.com

کو اپنی ذاتی حیثیت کس قدر ختم کرنی پڑتی ہے ؟ اور مخلوق کے لئے وہ کس قدر وقف ہوتے ہیں ۔

قوت استدلال وبیان یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے قائدین مخاطب کو سمجھا سکیں

(۶) چھٹی قوتِ استدلال وبیان ہے ۔ قائدین میں ادائیگی وبیان کی ایسی قوت ہونی چاہئیے کہ اپنے خیالات کو اپنے زمانہ کی اصطلاح وزبان کے مطابق موثر انداز میں مخاطب کی طرف منتقل کرسکیں ۔

ہر زمانہ میں خیالات کی ادائیگی ۔ طرز گفتار ۔ اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال وغیرہ میں فرق ہوتا ہے ۔ سب مخاطب بھی یکساں نہیں ہوتے ہیں ۔ اس لئے تحریر وگفتگو کو موثر بنانے کے لئے تمام حیثیتوں کی رعایت ضروری قرار دی جاتی ہے ۔

انداز بیان اور طریق نمائش ، اگر حالات ونفسیات کے مطالعہ کے ساتھ ہوں تو وہ اپنے اندر جادو جیسا اثر رکھتے ہیں " اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْراً ۔ (بعض بیان جادو جیسی تاثیر رکھتے ہیں)

موقع اور محل کے لحاظ سے اس کی چند صورتیں ہیں ۔

(۱) کبھی حاکمانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے (۲) کبھی حکیمانہ انداز سے کام چلتا ہے ۔ (۳) کبھی تاکید سے کام نکلتا ہے (۴) اکثر تکرار کی ضرورت پڑتی ہے (۵) کبھی صرف دعویٰ کافی ہوتا ہے (۶) کبھی دعوی کے ساتھ دلیل لازمی بن جاتی ہے (۷) کبھی غیر شعوری طور پر دوسرے کی طرف اثر منتقل کرنے کی کوشش ہوتی ہے ۔ بہر حال یہ ایک مستقل فن ہے جس کے لئے

Marfat.com

نفسیات و مزاج کا سمجھنا اور موقع و محل کی نزاکت سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔

قرآن حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے ثبوت	انبیاء کرام کی زندگی میں مذکورہ تمام باتوں کی مثالیں موجود ہیں البتہ اس نظر سے مطالعہ کی

ضرورت ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام نے قوت استدلال و بیان کے لئے اس طرح دعا کی تھی۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۔ اے اللہ میری زبان کی گرہ
يَفْقَهُوا قَوْلِي ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کھول دے کہ میری بات لوگوں کے
۔ ۔ ۔ ۔ $\frac{2}{28}$ دلوں میں اتر جائے۔

قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں بیان کی وہی صلاحیت مراد ہے جو قیادت کے فرائض انجام دینے کے لئے درکار ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نمرود کو دعوت پہنچانے میں جو طریقہ اختیار کیا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے فہمائش کا جو طریقہ مناسب ہو وہی اختیار کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے مشاہدات سے کام لے کر سادگی ملحوظ رکھی جائے۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قائدین کا مقصد مخاطب کو سمجھا دینا ہونا چاہیئے جس طرح بھی ہو مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسانا یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر بولتے بولتے ناطقہ بند کر دینا قیادت و دعوت کی راہ کے خلاف ہے۔

Marfat.com

قیادت و دعوت کی راہ کے چند بنیادی اصول

ذیل میں ہم چند اصول ذکر کرتے ہیں جن پر عمل درآمد کرنا قائدین کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

(۱) ابتدا میں قوم کو صرف انھیں باتوں کی دعوت دی جائے جو بنیادی ہوں قرآن حکیم میں ہر نبی کی دعوت میں مثبت و منفی کے دو بنیادی پہلو ذکر کئے گئے ہیں (۱) اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۱۶/۳۶ اے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو۔ (۲) وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۱۶/۳۶ اور طاغوت (غیر اللہ طاقتیں) سے پرہیز کرو۔

(۲) حتی الامکان ہر ایک کے مقام اور حیثیت کی تصدیق کرکے قدر مشترک پر جمع کرنے کی کوشش ہو۔ ہر نبی نے دوسرے نبیوں کی تصدیق کی ہے اور ابتدا میں قوم قدر مشترک پر جمع ہو جانے کی دعوت دی ہے جیسا کہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اور يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الخ وغیرہ آیتوں سے ظاہر ہے۔

(۳) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو قربان کر دینا چاہیے۔

(۴) تالیف قلب کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیے۔

(۵) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت کا اندیشہ ہو۔

نوویؒ شارح مسلم نے مذکورہ اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل طرز عمل سے اخذ کئے ہیں۔

"حطیم" خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ صلعم نے اس کو کعبہ کے ساتھ شامل کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی

لَوْ لَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ بِاللّٰهِ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ وَلَجَعَلْتُهَا عَلٰی اَسَاسِ اِبْرَاهِیْمَ لہ
اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی تعمیر کرتا اور حطیم اس میں شامل کرتا۔

(۶) ان باتوں سے اعراض وچشم پوشی کی جائے جو عوام میں انتشار و افتراق کا باعث بنیں یا ان کی وجہ سے سماجی زندگی مختل ہونے کا اندیشہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے رسم و رواج جو صدیوں سے چلے آرہے ہوں وہ دفعۃً نہیں مٹائے جا سکتے ہیں بلکہ رفتہ رفتہ اصلاحی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً غلامی اسلامی روح اور مزاج کے خلاف ہے جن لوگوں نے تحقیق و بصیرت کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام ایک لمحہ کے واسطے بھی غلامی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخی کا حکم نہیں صادر فرمایا اگر آپ ایسا کر دیتے تو سماجی زندگی مختل ہو جاتی اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا نہ کھانے پینے کا کوئی بندوبست رہتا اور نہ رہنے سہنے کا البتہ آپ نے اس رسم کے دور کرنے کی آہستہ آہستہ کوشش کی چنانچہ اس کی متفرق تدبیریں بتائیں اور مختلف صورتیں پیدا کیں نیز سوسائٹی میں انھیں اتنا اونچا مقام دلایا کہ غلامی آقائی میں تبدیل ہو گئی۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کو

لہ مسلم ج ۱ ص ۴۲۹،

Marfat.com

آخری حد تک لے جانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن پھر اس تعلیم کی غایت کو نظر انداز کر دیا گیا اور سلطنتوں نے بعض دیگر باتوں کی طرح غلامی کو بھی قائم رکھا اگرچہ اس کی نوعیت میں کافی تبدیلی ہو گئی۔

اصل یہ ہے کہ کسی فکری و عملی نظام پر تحقیقی نظر ڈالنے کے لئے مقامی و عہدی حالات کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ آج کے دماغ اور آج کی فضا کو سامنے رکھ کر ہزاروں سال پہلے کے اجتماعی اور سماجی اصلاح کے مسائل پر تنقیدیں شروع کر دی جاتی ہیں نہ اس وقت کے حالات کا پتہ ہوتا ہے اور نہ مزاج کا۔ ایسی حالت میں صحیح نتیجہ تک نہ پہنچنا ظاہر ہے۔

(۷) جہاں ابتدا میں قائدین کے لئے مذکورہ اصول کی رعایت کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے وہاں حالات کی مناسبت سے انھیں سخت قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے مثلاً عارضی طور پر قوم کو ان مباح اور جائز باتوں سے بھی وہ روک سکتے ہیں جن کے استعمال سے برائی تک پہنچنے کا اندیشہ ہو یا غلط استعمال کی وجہ سے وہ برائی کا ذریعہ بن گئی ہوں اگرچہ ان کی ذات میں کوئی برائی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ مصلحت کی وجہ سے شراب کے برتنوں کے استعمال سے روکدیا تھا اور عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا پھر بعد میں اجازت دیدی تھی۔

اسی طرح یہودیوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے وہ چیزیں ان کے لئے حرام کر دی گئی تھیں جو پہلے حلال تھیں۔

قرآن حکیم میں ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا	یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔
۴/۱۵۹	

غرضیکہ طریق کار کے انتخاب میں بہت حد تک گنجائش رکھی گئی ہے اور قائدین کے صوابدید پر معاملہ چھوڑا گیا ہے۔ ان چند ضروری مباحث کے بعد اب ہم قوموں کے عروج و زوال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

Marfat.com

عروج و زوال کی "زمین" اور اسکی بنیاد

دنیا میں قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش ہمیشہ جاری رہی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں آج کوئی قوم و جماعت برسر اقتدار ہے تو کل اس کی جگہ دوسری نے لے لی ہے پھر زیادہ دن نہیں گذرنے پائے ہیں کہ اس نے کسی اور کے لئے جگہ خالی کر دی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کے پس پشت کچھ قوانین و اسباب کار فرما ہوتے ہیں؟ یا یہ محض بخت و اتفاق کی بنا پر ہوتا ہے؟

اس کا جواب فلسفہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ چونکہ علت و معلول کی دنیا میں کوئی شئے اتفاقاً بلا سبب نہیں ہوتی ہے اس لئے یہاں ہر تبدیلی کے لئے سبب و علت کا پایا جانا ضروری ہے۔

قرآن حکیم نے قوموں کے تذکرہ میں فلسفۂ تاریخ کی طرف رہنمائی کی ہے اور تاریخی واقعات کے ذیل میں اجتماعی قوانین۔ اخلاقی خصوصیات اور عقائد و اعمال کے خواص و نتائج وغیرہ بیان کئے ہیں۔ ان سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے "مقررہ قوانین" کے ماتحت ہوتا ہے بخت و اتفاق کی بنا پر کسی شئے کے ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کی خاص اصطلاحی زبان میں ان قوانین کو لفظ "سُنَّۃ" سے تعبیر

Marfat.com

کیا گیا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۳/۶۲

یہ اللہ کی سنت ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے ہیں اللہ کی اس سنت میں آپ کسی قسم کی تبدیلی نہ پائیں گے۔

عروج یا زوال کی تخم ریزی سب سے پہلے "انفس" میں ہوتی ہے

ذیل میں ہم اس زمین کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۱/۲

بے شک اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو حاصل ہوتی ہے جب تک وہ خود ہی ان چیزوں کو نہ بدلیں جو اُن کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

دوسری آیت یہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ ۵۳/۸

یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اسے وہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ اس قوم کے افراد ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

Marfat.com

دونوں آیتوں میں "نفس"[عہ] کی تبدیلی کو مدار قرار دیا گیا ہے یہی دراصل وہ "زمین" ہے جہاں سب سے پہلے عروج یا زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ انقلاب عروج کی طرف ہو یا زوال کی طرف اس کے دو درجے ہیں (۱) ذہنی و نفسی انقلاب کا۔ (۲) عملی و اخلاقی انقلاب کا۔ پہلے کا تعلق اندرونی تبدیلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق بیرونی تبدیلی سے ہے یعنی جب کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے تو ابتدا میں اندرونی قوتوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ افکار و احساسات اور تصورات زندگی وغیرہ بدلتے ہیں پھر "جواہر" کی نشو و نما ہو کر رفتہ رفتہ عملی طور پر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

جب کسی قوم پر ذلت و ادبار مسلط ہوتی ہے تو پہلے اندرونی قوتیں خراب ہوتی ہیں فکر و نظر میں تبدیلی ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ وہ "جرائم" پیدا ہو جاتے ہیں جو زندہ رہنے کی اہلیت فنا کر دیتے ہیں۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ قوم میں جب تک عروج اور اقتدار کی نعمت سے سرفراز ہونے کی صلاحیت باقی رہتی ہے قدرت اس نعمت کو سلب نہیں کرتی۔ اور جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو نعمت سلب کر لی جاتی ہے۔

ایسے ہی کوئی قوم اخلاق و اعمال کے ذریعہ جب تک استحقاق نہیں ثابت کر دیتی یہ مقام اس کو نہیں دیا جاتا ہے اور جب مستحق ہونے کا ثبوت مل جاتا ہے تو پھر قدرت بخل سے کام نہیں لیتی ہے۔

عہ جرمن کے مشہور فلسفی "فختے" نے "نفس" کی تعریف میں کہا ہے کہ خیالات و احساسات کی تہہ میں ایک زبردست حاکم اور ایک نامعلوم فلسفی پوشیدہ ہے جسے نفس (سلف) کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں "انفس" سے ایک "عالم" مراد ہے جس میں تمام وہ قوتیں ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی شکل میں انسانی اعمال و حرکات پر پڑتا ہے چنانچہ ایک موقع پر "انفس" کو عالم "آفاق" کے ساتھ اسطرح ذکر کیا ہے "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ" ۵۳/۴۱

Marfat.com

دنیا ایک باغ ہے جو باغبان خلقِ خدا کے لئے باغ کو زیادہ مفید بنانے کا اہل ہوگا وہی مستحق ہوگا

اس کی مثال بالکل یوں سمجھئے کہ دنیا ایک "باغ" ہے اور مالک کے سامنے "باغ" کے آراستہ کرنے کا ایک نقشہ ہے جس میں اس بات کی پوری کوشش ہے کہ خلقِ خدا کے لئے یہ باغ زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

مالک کو ایسے باغبان کی تلاش ہے جس نے ٹھیک ٹھیک اس نقشہ کے مطابق باغ کو آراستہ کرنے کی مشق کی ہو۔ جب تک یہ نہ ملے گا حسبِ حیثیت و صلاحیت باغ کی سپردگی کا سلسلہ جاری رہے گا اور جب مذکورہ قسم کا باغبان مل جائے گا تو "حق" صاحبِ حق تک پہنچا دیا جائے گا۔

اس کی تصریح درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ	اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے
اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ	نالے ندیاں اپنی مقدار کے مطابق
السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَمِمَّا	بہنے لگیں اور سیلاب کی رَو نے اوپر
یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡهِ فِی النَّارِ	اوپر جھاگ پیدا کر دیا ایسی جھاگ
ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ	اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب کہ
مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ	زیور اور دوسری چیزیں بنانے
الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ	کے لئے دھاتوں کو آگ میں پگھلاتے
فَیَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا	ہیں۔ اللہ حق و باطل کی ایسی ہی مثال
یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡكُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ	دیتا ہے دیکھو جھاگ تو ناچیز اور ناکارہ
كَذٰلِكَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ	ہو کر معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز

Marfat.com

الْاَمْثَالَ .... لوگوں کے لئے نفع بخش اور کار آمد

..... ۱۳ / ۱۷ ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔

پانی سونا چاندی اور دوسری دھاتیں چونکہ "نافع" ہیں اس لئے باقی رہتی ہیں اور اوپر آئی ہوئی جھاگ "غیر نافع" ہے اس لئے ختم ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو بھی بحیثیت مجموعی "نافع" ہو اس کو پائداری حاصل ہوتی ہے اور جو "غیر نافع" ہو وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ نظریہ "بقاءِ انفع" کا یہی مطلب ہے۔

عروج و بقاء کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے

اس کے بعد قرآن حکیم نے خلق خدا کو نفع پہنچانے والی قوم کے چند اعمال گنا کر اس کی اخلاقی زندگی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عروج و بقاء کا اصل سنگ بنیاد "اخلاق" ہے۔ کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اخلاق ہی کی شان ایسی ہے جس میں مالک تعالےٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ اللہ والے اخلاق کو اپنے اخلاق

(الحدیث) بناؤ۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جو قوم اور جماعت اخلاقی زندگی میں نیابت کی شان پیدا کرے گی وہی زمین میں اللہ کی نیابت کی مستحق ہوگی اور حقیقی معنوں میں خلق خدا کے لئے وہی "نافع" ہوگی۔

چند اخلاقی اوصاف کی تفصیل

جن اخلاقی اوصاف کا تذکرہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات

پر ملتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

اطاعت حق۔ ضمیر کی آزادی، شجاعت و بہادری۔ سچائی۔ انصاف۔ رحم۔ رواداری۔ ایفائے عہد۔ امانت و دیانت۔ عفو و درگذر۔ دشمن سے اچھا برتاؤ۔ مساوات۔ ایثار و قربانی۔ توکل و اعتماد۔ اطمینان و خودداری۔ شیریں کلامی۔ میانہ روی۔ عزم و استقلال۔ امید بیش بینی۔ احتساب نفس۔ ذمہ داری کا احساس۔ ہر کام میں ایمان داری۔ حیا و شرافت۔ عفت و پاکدامنی، محبت و مروت۔ صبر و ثبات۔ اخلاص و بے نفسی۔ نیکی سے الفت اور برائیوں سے نفرت۔ بے غرضی کے ساتھ دوسروں کی خدمت کا جذبہ وغیرہ۔

فلسفۂ تاریخ و اجتماعیات کے دو مشہور استاد کی رائیں

عروج و بقاء کے سلسلہ میں فلسفۂ تاریخ اور اجتماعیات کے دو مشہور استاد کی رائیں یہ ہیں۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں۔

"قوموں کی ترقی نہ مادی طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لئے قومی عصبیت اور اخلاق کی ضرورت ہے۔

وہ اخلاق جن سے قوموں میں زندگی پیدا ہوتی اور عزت و سلطنت ملتی ہے یہ ہیں عمدہ اور اچھی عادتیں۔ مظلوم و بے کس کے باتوں کی برداشت مکروہات و مصائب پر صبر۔ محنت و مشقت اور جد و جہد سے جی نہ چرانا۔ حق بات کو بغیر کسی رعونت کے سننا اور اس کی پیروی کرنا۔ عہد اور وعدوں کو پورا کرنا۔ ضعیف الحال لوگوں کے ساتھ انصاف اور شفقت سے پیش آنا اور بذل و سخاوت سے کام لینا۔ مسکینوں سے

Marfat.com

تواضع کے ساتھ ملنا۔ دادخواہوں کی فریاد سننا۔ عزت کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینا۔ لوگوں سے کرم و عفو کے ساتھ پیش آنا۔ مہانوں کی میزبانی کرنا۔ مکر و دغا اور نقض عہد سے پرہیز کرنا وغیرہ"[1]

ڈاکٹر لیبان کہتے ہیں۔

"ہر قوم میں انقلابات و تغیرات صرف اخلاق کے ذریعہ ہوتے ہیں اور وہی ان کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں۔ . . . . قومی زندگی کی بنیاد صرف اخلاق کے ستونوں پر قائم ہے عقل و دماغ کا حصہ ان میں بہت کم ہے . . . .

جب کسی قوم کا شیرازۂ اخلاق درہم برہم ہوجاتا ہے تو وہ مرجاتی ہے اور اخلاقی اوصاف میں اسی قدر تنزل ہوتا ہے جس قدر قوم عقل و دماغ میں ترقی کرتی ہے . . . .

جماعت انسانی کا نظام۔ مذہب کی بنیاد۔ سلطنتوں کا معیار صرف اخلاق کی سطح پر قائم ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے . . . . . .

تمام قومیں صرف اخلاق ہی کے ذریعہ حس و حرکت کرتی ہیں اور صرف غور و فکر سے دنیا کا کام نہیں چلتا ہے . . . .

عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجہ کا انقلاب ہے اصل سنگ بنیاد صرف اخلاق ہے لیکن وہ کارخانوں اور کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتا ہے بلکہ اس کی تحصیل کے لئے دفتر کے دفتر الٹنے پڑتے ہیں اور مختلف

---

[1] مقدمہ ابن خلدون حصہ اول و دوم۔

Marfat.com

قوموں سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہے . . . .

دو قوموں کی مثالیں

پھر ڈاکٹر موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مختلف قوموں کی مثال پیش کی ہے مثلاً

رومن قوم اپنے تنزل و انحطاط کے زمانہ میں عقلی حیثیت سے اپنے آباء و اجداد کی بہ نسبت زیادہ طاقتور تھی تاہم چونکہ اپنی آبائی وراثت اقدام۔ عزم۔ شجاعت۔ جانبازی غرض ان تمام اخلاق کو جن کے ذریعہ ان کے آباء و اجداد نے ترقی کی وہ کھو چکی تھی اس لئے بالآخر تنزل کے غار میں گر پڑی۔

ہندوستان کے تیس کروڑ باشندوں کو ساٹھ ہزار انگریزوں نے محض اخلاق کی استواری کی بنا پر اپنا غلام بنا لیا حالانکہ عقلی حیثیت سے ہندوستان میں بہت سے لوگ ہیں جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ بعض کو فلسفیانہ مباحث میں ان پر ترجیح دی جا سکتی ہے[1]

قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن حکیم جس قسم کا اخلاق قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جس پر قومی ترقی کی بنیاد رکھتا ہے اس کی حیثیت اس اخلاق جیسی نہیں ہے جو قومی ترقی و سربلندی کے لئے قومی پیمانہ پر اپنایا جاتا ہے کہ اس کا اثر صرف اس قوم کے دائرہ تک محدود رہتا ہے اور دوسری قوموں کے لئے وحشت و بربریت کا مظاہرہ بدستور جاری رہتا ہے۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۹ و ۵۳ و ۵۴ و ۸۳۔

بلکہ یہ اخلاق عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر مبنی ہونے کے ساتھ اس نظریہ کے ماتحت ہوتا ہے کہ

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ (الحدیث) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔

اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ (الحدیث) تمام لوگ بھائی بھائی ہیں۔

یہ روحانی تقاضہ کے طور پر اپنایا جاتا ہے اور نیابت الٰہی کی شان پیدا کرتا ہے اور وہ قومی عصبیت ومنافرت کے پیمانہ پر قبول کیا جاتا ہے۔

اس کی بنیاد خداپرستی وروحانی پاکیزگی پر ہوتی ہے اور اُس کی قوم پرستی ووطن پرستی پر رکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ہر اجتماعی مسئلہ کی بنیاد محبت ومروت۔ بھلائی وہمدردی۔ احسان وسلوک غرض ان "جواہر" پر رکھی ہے جن سے انسانیت نشو ونما پاکر بالیدگی حاصل کرتی ہے بخلاف جدید دنیا کی "اجتماعیات" کے کہ اس کے ہر گوشہ اور ہر سوشہ میں عصبیت ومنافرت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔

زوال کی بنیاد بداخلاقی پر رکھی جاتی ہے

جس طرح عروج کی بنیاد اخلاق پر رکھی جاتی ہے اسی طرح زوال کی بنیاد بداخلاقی پر ہوتی ہے کیونکہ جو خرابی اس راہ سے آتی ہے اس کی براہ راست زد انسان کی اصل ساخت پر پڑتی ہے اور اس کے پورے نظام کو درہم برہم کردیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے "جواہر" ختم ہوکر "جراثیم" نمودار ہوجاتے ہیں اور وہ زندہ رہنے کی صلاحیت فنا کردیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی قوموں کی ہلاکت وبربادی کا ذکر آیا ہے اس کا سبب بدعملی وبداخلاقی کو قرار دیا گیا ہے۔

چند آیتیں یہ ہیں۔

Marfat.com

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ — ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں ہلاک کیا۔

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ — اللہ نے اُن کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا۔

اس آیت میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ — اور جب ہمیں کسی بستی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو اس بستی کے خوشحال لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے ہیں پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر عذاب کی بات ان پر ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم (پاداش عمل میں) انھیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

درج ذیل آیت میں ہر ایک کا مقام اعمال کے لحاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ — ہر ایک کے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تمھارا پروردگار ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

قوموں کی تاریخ سے اس کا ثبوت

مذکورہ حقیقت کا ثبوت قوموں کی تاریخ سے اس طرح ملتا ہے کہ بالعموم اقتدار و سلطنت سے دست بردار ہونے والی قوم فوجی تفوق اور مادی وسائل میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے لیکن تمدنی

عیش وعشرت اور بے آہنگ عقل وہوس کی نمائش اخلاقی جواہر فنا کرکے اس کا حوصلہ پست کردیتی ہے اور مقابل کی قوم مادی وسائل کے اعتبار سے پست ہوتی ہے اس کے باوجود اخلاقی اقدار کی تخم ریزی کی وجہ سے فوجی اسپرٹ ودیگر لوازمِ حیات اس میں موجود ہوتے ہیں چنانچہ عزم وہمت کے ساتھ نیا حوصلہ لے کر وہ میدان میں آتی ہے اور مقابل قوم کو شکست دے کر خود قابض بن جاتی ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ | یہاں بحث عروج وزوال کے "اصلی سنگ بنیاد" سے ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ علوم وفنون کی ترقی اور مادی وسائل قومی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔

صورت یہ ہے کہ اخلاقی طاقت مادی وسائل کی کمی کی تلافی کردیتی ہے لیکن مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی فقدان کی تلافی نہیں کرسکتی ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تمدن خود تمدن کا دشمن بنکر ہلاکت وبربادی کا موجب ہوتا ہے۔

انتخاب فطری اور بقائے اصلح

جدید دنیا کے فلسفیوں نے عروج و بقاء کے لئے "بقائے اصلح" کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کا ثبوت بعض قدیم مذاہب اور نظریات میں بھی ملتا ہے لیکن "ڈارون" نے نہایت واضح دلائل پیش کر کے اس کو تمام علمی شعبوں پر حاوی بنا دیا ہے اس لئے اس زمانہ میں انگریزی کے نام کے ساتھ اس کی شہرت ہو گئی ہے۔

یہ نظریہ ایک حد تک اب فرسودہ ہو چکا ہے لیکن ابھی خلاف نظریات کو نہ تو عمومی حیثیت حاصل ہوئی ہے اور نہ ہی علوم و فنون کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ ہو سکا ہے اس لئے قومی و اجتماعی زندگی کی حد تک اس کی تشریح کر دینی ضروری ہے۔

نظریہ بقاء اصلح کی اجمالی تشریح — موقع کی مناسبت سے اس سلسلہ کی تین اصطلاحیں قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) **تنازع للبقاء**:۔ زندہ اور باقی رہنے کے لئے باہمی کشمکش۔

(۲) **انتخاب طبعی**:۔ جو چیزیں باقی رہنے کے لائق ہیں طبعی طور پر قیام و بقاء کے لئے انھیں کا انتخاب۔

(۳) **بقاء اصلح**:۔ وہی چیزیں باقی رہتی ہیں جن میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ڈارون نے "بقائے اصلح" کی تدبیر کو ہر شئے کی ارتقاء کا ذریعہ قرار دیا ہے اس طرح

Marfat.com

کہ نباتات حیوانات اور انسان سب کے سب زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے عالم وجود میں آتے ہیں اور انواع میں باہمی امتیاز ان کی بقار سے ہوتا ہے اور بقار ان انواع کو حاصل ہوتا ہے جن کے اعضاء و قوی اس ماحول کے مناسب ہوتے ہیں جن میں یہ واقع ہو گئے ہیں۔

اس لحاظ سے ہر ایک کشمکش حیات میں مصروف ہے اس کشمکش میں جنھیں فطرت کے مناسب آلات میسر آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور جو غیر موزوں و ناقابل ہوتے ہیں وہ محو ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ نظریہ کی بنا پر نہ صرف یہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار پاتا ہے بلکہ انسان ہر حیثیت سے اپنی بقار کے لئے ماحول کے مناسب بننے پر ہی مجبور ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے عروج و بقار کے لئے "صلح" ہی کا نظریہ پیش کیا ہے لیکن اس کو جانچنے کے لئے "نفع" کا معیار مقرر ہے، اس طرح کہ صلاحیت "افادیت" کے پیمانہ سے ناپی جاتی ہے خلق خدا کے لئے جو قوم اپنی صلاحیت و کردار کی بنا پر زیادہ نفع مند ثابت ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو صلاحیت یا کردار کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر نافع بن جاتی ہے وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔

"ارتقار" کا تصور یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ہے لیکن وہ "ارتقار" جسم انسانی تک محدود ہے اور اس ارتقار کی ابتدا جسم انسانی سے ہوتی ہے پھر روحانی ارتقار کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس میں انسان خدائی اخلاق اپنے اندر پیدا کرتا ہے خدائی صفات کا مظہر بنتا ہے اور پھر خدا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ارتقار کی غیر محدود شاہراہ اور بلندی کا انتہائی مقام ہے۔

Marfat.com

بین الاقوامی میدان میں "اصلح قوم" کے قیام و بقاء کی کیا صورت ہوتی ہے؟ قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قوموں کی باہمی مزاحمت ومدافعت ہی کی بدولت نشوو ارتقاء کا کام جاری ہے	فطرت کے تقاضہ کے مطابق مادی ومعنوی ہر گوشہ میں بناؤ و سنوار اور اصلاح وتربیت کا کام جاری رہنا ضروری ہے اس کے بغیر نہ نشوو ارتقاء کا سلسلہ

قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا نظام چل سکتا ہے۔

یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ غیر صالح (تخریبی سرگرمیوں میں مصروف قوم) کو ہٹا کر صالح (بناؤ سنوار کرنے والی قوم) کو آگے بڑھایا جائے۔

اس مفہوم کو ثابت کرنے والی چند آیتیں یہ ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ $\frac{۲}{۲۵۱}$

اگر اللہ ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (دنیا) خراب ہو جاتی لیکن اللہ سب عالموں کے لئے فضل ورحمت رکھنے والا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا $\frac{۲۲}{۴}$

اگر اللہ بعض کے ہاتھوں بعض کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔ خانقاہیں گرجے۔ دوسری قسم کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں بکثرت سے اللہ

Marfat.com

. . . . کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب گرا دی
. . . . جائیں (اور بالآخر امن و امان سب
. . . . خاک میں مل جاتا)

تیسری آیت یہ ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ۔ ۲۳/۱۷

اگر حق لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔

ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قوموں کی باہمی کشمکش اور پھر ایک کے ذریعہ دوسرے کی مدافعت ہی کی بدولت موجودہ نظام قائم ہے اور نشو و ارتقار کا سلسلہ جاری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آنے والی قوم کس قسم کی ہوتی ہے؟ درج ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم خلق خدا کو نفع رسانی میں جانے والی قوم سے بہتر ہوتی ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ۔ ۴۷/۳۸

اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدل کرے آئے گا پھر وہ تم جیسی نہ ہوگی۔

غیر صالح کے مقابلہ میں صالح قوم آئے گی اور وہ حق و عدالت اور تعمیری نشو و ارتقار کا کام جاری رکھے گی۔

Marfat.com

قیام وبقا کے لئے اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادیت کی ترقی کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم نے قیام وبقا کے لئے بنیادی حیثیت سے دو چیزیں ضروری قرار دی ہیں اور یہ دونوں انسانی فطرت ومقام کے مطابق ہیں (۱) اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور (۲) مادیت کے ارتقاء کا سلسلہ۔ ان دونوں میں کسی ایک سے بھی غفلت برتی گئی تو بین الاقوامی میدان میں نہ وہ "صالح" قوم کہلانے کی مستحق ہوگی اور نہ ہی اس کے قیام وبقا کی کوئی ضمانت ہوگی۔ یعنی اگر صرف مادیت کی طرف توجہ کی گئی اور اس کے ساتھ بلند تصورات داخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہوئی تو آگے چل کر یہی مادیت غیر مفید بلکہ تباہ کن بن جائیگی۔ قوموں کی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جنھوں نے ابتدا میں چند اخلاقی تبدیلیاں کرکے اقتدار حاصل کر لیا لیکن بعد میں مادیت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر تباہ وبرباد ہوئیں۔

اسی طرح اگر بلند تصورات داخلاقی اقدار کے ساتھ مادیت کا ارتقاء نہ جاری رہا تو اس سے نہ کوئی مضبوط وپائدار کلچر پیدا ہوگا اور نہ ہی اس کے بقاء کی کوئی ضمانت حاصل ہوگی۔ تاریخ میں ایسی قوموں کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ قوت وسلطنت چھن جانے کے بعد جب مادّی ارتقاء کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ان کا علم اور تہذیب وتمدّن وغیرہ سب رخصت ہو گئے اور بالآخر رفتہ رفتہ وہ قومیں بھی ختم ہو گئیں۔

چند آیات قرآنی سے اس کا ثبوت

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے قیام وبقاء کے لئے اخلاقیات کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادّیات کے

Marfat.com

ارتقار ہوتے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ
مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ
وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ
مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ
اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

جہاں تک ہو سکے قوت وطاقت کے
سامان پیدا کرکے اور گھوڑے تیار
رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے
تیار رہو اس تیاری سے تم اپنے
اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک
بٹھائے رکھو گے اور ان لوگوں
پر بھی جن کی تمھیں خبر نہیں لیکن اللہ
انھیں جانتا ہے۔

آیت میں قوت وطاقت کے سامان سے ہر وقت لیس رہنے کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مادیت کے بغیر کام چل سکے۔

لفظ "مِن قوۃ" کی عمومیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں مادّی ارتقار ہوتا رہنا ضروری ہے اور اس ارتقار کا ساتھ دیئے بغیر کوئی قوم اپنے کو باقی نہیں رکھ سکتی ہے۔

بعد کی آیتوں میں چند اخلاقی اوصاف گنائے گئے ہیں جو زندگی کو منظم کرنے والے اور مادّی ترقی کو انسانیت کے لئے مفید بنانے والے ہیں مثلاً (۱) ایمان ویقین (۲) ایثار وقربانی (۳) اعتماد وتوکل (۴) تائید غیبی کی امید (۵) محبت ورحمت وغیرہ۔

Marfat.com

تنظیم اخلاق سے متعلق دو آیتیں یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف سے گواہی دینے والے ہو جاؤ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کے لئے نہ آمادہ کرلے کہ اس کے ساتھ بے انصافی کرو ہر حال میں انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے لگتی بات ہے۔

ع ۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا۔

اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہنے والے اور خدا لگتی گواہی دینے والے ہو جاؤ اگرچہ یہ گواہی اپنے نفس یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے (تو تمہیں اس کی رعایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے) بلکہ اللہ سب سے بڑھ کر ان کی پرداخت کرنے والا ہے (پس) ان کی خاطر تم اپنی خواہش کی اتباع کرکے حق وصد

[illegible]

۴
۱۳۴

Marfat.com

حاصل یہ کہ اخلاق کی ایسے اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم ہونی چاہیئے کہ اس کے نفاذ میں کسی گروہ کی دشمنی یا کسی عزیز سے عزیز ترین کی جانبداری حتیٰ کہ اپنی ذات کی رعایت کو بھی دخل نہ ہو۔

قرآن حکیم کی نظر میں "اصلح" بننے کے لئے صفت عدالت اصل معیار ہے

قرآن حکیم نے قومی و جماعتی زندگی میں "عدل اور عدالت" پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ بغور سے دیکھا جائے تو تمام محاسن اعمال کی بنیاد اور قومی اخلاق کا خلاصہ یہی خصلت ہے۔

ذیل میں اس کی تشریح کی جاتی ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ قومی زندگی میں اس کا کیا مقام ہے اور قوم کو "اصلح" بنانے میں اسے کس قدر دخل ہے؟

امام غزالیؒ نے "عدل" کو مجموعۂ فضائل قرار دیتے ہوئے یہ تعریف کی ہے

"قوت عقلی اور قوت شہوانی کی ضروری ترتیب اور پھر اس کے مطابق ان قوتوں کے وجود پذیر ہونے کا نام "عدل" ہے"

پھر کہتے ہیں۔

"عدل" مجموعہ فضائل کا نام ہے فضائل کے تینوں اصول (عفت، حکمت، شجاعت) کے فروع خود عدل کے فروع ہیں"[۱]

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے

ھی ملکۃ فی النفس تصدر عنھا الافعال التی یقام	"عدالت" ایک ملکہ کا نام ہے جس سے ایسے اعمال و افعال صادر ہوتے

[۱] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۴۸۔

Marfat.com

بها نظام المدینة والحی ہیں کہ ان کے ذریعہ ملکی و قومی انتظام

بسهولة[1] بآسانی قیام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک عدالت ایک ملکہ ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد فکری و عملی دونوں قوتیں ٹھیک ٹھیک استعمال ہونے لگتی ہیں اور حقوق و فرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے۔

قومی اور جماعتی عدل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ہر فرد عدل کے قائم کرنے میں اپنی ڈیوٹی پوری کرے اور عدل کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن اعمال و افعال کی ضرورت ہے ہر فرد اپنی طاقت بھر انھیں انجام دے۔

عدل کے بروئے کار آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شئے اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر رہو۔ ہر شخص اپنا حق پائے اور بغیر کسی کمی کے دوسرے کا حق ادا کرے۔

افلاطون کے نزدیک عدالت کا اصلی جوہر روحانی و داخلی ہے یعنی انسان کی اندرونی و روحانی زندگی اتنی منظم ہو کہ ہر شخص اپنا کام کرے اور دوسرے کے کام میں دخل نہ دے[2]۔

"آر۔ اے۔ پی روجرس" کہتے ہیں

"چار فضائل اصلیہ حکمت۔ شجاعت۔ اعتدال اور عدالت میں عدالت سب سے بلند پایہ ہے یہ تمام فضائل کا اتمام اور سرتاج ہے اگر یہ نہ ہو تو باقی اپنی غایت کو کھو بیٹھیں"[3]

"پروفیسر جان ڈیوی" اور "پروفیسر جیمس ایچ ٹفٹس" نے عدالت کے یہ معنی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص ۹۸ [2] تاریخ اخلاق ص ۳۳ [3] ایضاً

Marfat.com

بیان کئے ہیں۔

"عدالت" کا لفظ جب بہت ہی وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس سے
صداقت شعاری، درست کرداری اور راست بازی مراد ہوتی ہے
اس مفہوم کے لحاظ سے عدالت اخلاق کا ماحصل ہے یہ نیکی کی ایک
قسم نہیں ہے بلکہ عین نیکی ہے اور عادلانہ فعل ہی واجب العمل فعل ہے۔
یہی شئے انصاف پسندی۔ دادگری۔ ناطرفداری اور دیانتداری
کی تشکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور عدالت کے سب سے محدود معنی وہ
ہیں جن کی رو سے عدالت اور قانون کے ذریعہ حقوق کی حمایت
ہوتی ہے[1]"

مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل و عدالت کے مفہوم کی وسعت و گہرائی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور زندگی کی روحِ رواں یہی خصلت ہے۔ دنیا کی جو قوم جس حد تک اس خصلت کو اپنائے گی اسی لحاظ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں "اصلح" قرار دی جائے گی اور بقائے دوام ذبقار کی مستحق ہوگی۔

ذیل میں ہم تنظیم و تربیت کے وہ بنیادی اصول بیان کرتے ہیں جن سے قومی و جماعتی زندگی میں عدل و عدالت کی صفت نمودار ہوتی ہے۔

---

[1] اخلاقیات حصہ دوم ص ۴۳۲۔

Marfat.com

اصلاح قوم کی تنظیم و تربیت کے

بنیادی اصول

تنظیم و تربیت کی دو شکلیں ہیں (۱) پہلی یہ کہ چند اجتماعی کمزوریاں دور کر کے کسی انقلاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے قوم کو تیار کر لیا جائے اور (۲) دوسری یہ کہ ہر فرد کی زندگی میں ایک گہری تبدیلی پیدا کی جائے ان کا زاویہ نگاہ بدلا جائے اور زندگی کے ہر موڑ و ہر موقف پر ان کی تربیت کی جاتی رہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں تنظیموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے پہلی صورت میں خرابیاں اور دشمن تمدن "جراثیم" جلد غلبہ پا جائیں گے جس کی بنا پر جلد ہی وہ قوم ترقی سے تنزل کی طرف آ جائے گی اور دوسری صورت میں اگر ٹھیک عمل درآمد ہوتا رہا تو خرابیوں کے غلبہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور اگر قومی زندگی کو سستی و کاہلی اور عیش پرستی نے گھیر لیا ہے تو چونکہ اٹھان اس کی مضبوط تھی اس لئے گرنے کے لئے بھی ایک مدت درکار ہوگی۔

قرآن حکیم نے دوسری قسم کی تنظیم کا حکم دیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر" کو قومی زندگی کا نصب العین ٹھہرایا ہے جس سے ایک طرف تو "معروف" کی پرورش اور نشو و نما ہو کر اس کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اور دوسری طرف "منکر" پر قابو پانے کی جد و جہد برابر جاری

Marfat.com

رہتی ہے اس طرح وہ چیزیں اکٹھا ہوتی رہتی ہیں جو تمدن کو پروان چڑھاتی ہیں اور وہ باتیں کم ہوتی رہتی ہیں جن سے تمدن کو نقصان پہنچتا ہے۔

یہاں یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم نے "اصلح" "قوم" کی تنظیم و تربیت کے لئے جو حدود و نقوش متعین کئے ہیں وہ اونچے سے اونچے معیار کے حامل ہیں اور حقیقی و دائمی قیام و بقا کے ضامن ہیں دنیا کی جو قوم ٹھیک ٹھیک اپنے آپ کو اس معیار کے مطابق بنائے رہے گی اُسے کبھی زوال نہ ہوگا اور جو جسقدر اس سے دور ہوتی جائے گی اسی مناسبت سے اس کا زوال ہوتا جائے گا۔ اس بارے میں درج ذیل سورت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ	زمانہ (تاریخ انسانی) اس بات پر شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارہ اور گھاٹے میں رہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق بات کی اور مشکلات میں ثابت قدم رہنے کی صلاح دیتے رہے۔
$\frac{۱۰۳}{۲۰۱}$	

تنظیم و تربیت کے بنیادی اصول چار ہیں

یہ چار اصول ہیں (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق اور (۴) تواصی بالصبر۔ ان کی صداقت کے لئے قرآن حکیم نے زمانہ کی پوری تاریخ شہادت میں پیش کی ہے۔ عمومیت پیدا کرنے کے لئے ان کی تعبیر ہم اس طرح کرسکتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) جن نظریات پر کسی تحریک کی بنیاد رکھی گئی ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو وہ افرادِ جماعت کی رگ رگ میں سمائے ہوئے اور ان کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوں۔

(۲) ان نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن تدبیروں اور صلاحیتوں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت وفرمانبرداری کا مطالبہ کیا جائے اس کے لئے قوم کے افراد ذاتی مفاد کو نظرانداز کر کے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

(۳) قوم کا ہر ہر فرد قولی اور عملی طور پر ان نظریات کا مبلغ ہو اور ایک دوسرے کی نگہداشت اور تعلیم وتربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو۔

(۴) قوم کے افراد عزم واستقلال کے ساتھ مصائب ومشکلات میں ثابت قدم رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرتے رہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی تفصیل یہ ہے

ایمان

ایمان قلب وذہن کی خاص کیفیت کا نام ہے

ایمان بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ کا نام نہیں ہے بلکہ علم وعقیدہ اور معرفت ومحبت کے حسین امتزاج سے قلب وذہن کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔

یہ خاص کیفیت قلب وذہن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنی خواہش، اپنی مرضی حتیٰ کہ اپنی ذات کو اس کی مرضی اور ارادہ پر چھوڑ دیتا

Marfat.com

ہے جس پر وہ "ایمان" لایا ہے"۔ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد انسان کا شیشۂ دل دوسرے تمام خیالات کے گرد وغبار سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور تمام اعمال وافعال کا محور اور مرجع وہی ذات بن جاتی ہے جس کی رضا جوئی پر اپنی شخصیت اور مرضی فنا کی ہے۔ قرآن حکیم سے اسی ایمان کا ثبوت ملتا ہے۔

ایمان قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے

نیز قوت وطاقت کا سرچشمہ اور انقلاب وتحریک کی کامیابی کی جان یہی ایمان قرار دیا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ قومی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے صلاحیتیں منظم ہوتی ہیں اور وہ "عناصر" زندگی میں ابھرتے ہیں جو ترقی کے لئے درکار ہیں۔

یہ اس لئے کہ ایمان کا براہ راست ایسے عالم (انفس) سے تعلق ہے جہاں سب سے پہلے انقلاب کی تخم ریزی ہوتی ہے اور جہاں افکار واحساسات اور تصورات کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی انقلاب کے لئے جب "عالم انفس" کی فضا سازگار بن گئی تو "عالم آفاق" کے تمام مرحلہ نہایت آسانی سے طے ہوتے رہتے ہیں۔

برخلاف اس کے بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ کو اندرونی تبدیلی سے کچھ زیادہ سروکار نہیں ہوتا ہے صرف جذبات کی تسکین کے لئے چند ظاہری رسوم واعمال کی نمائش ہو جاتی ہے اس بنا پر وہ جمود وتعطل کی زندگی کو فروغ دیتا ہے اور بسا اوقات قومی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اجتماعیین نے جس ایمان کو قوت وطاقت کا سرچشمہ قرار دیا ہے وہ قرآنی ایمان ہے جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

"قوت ایمانی ایک ایسی قوت ہے کہ جس میں یہ پیدا ہو جاتی ہے اس کی
قوت میں دس گنا اضافہ" ہو جاتا ہے۔

"انجیل میں بہت صحیح آیا ہے کہ قوت ایمانی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا
سکتی ہے۔"

جو لوگ تاریخی انقلاب کے باعث ہوئے وہ چند مسکین اور ایماندار
لوگ تھے جن کی قوت ایمانی نہایت مضبوط اور مستحکم تھی[۱]

دوسری جگہ ہے۔

"جو شے ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے وہ یہ خارجی مؤثرات
نہیں ہیں (گو ایک حد تک یہی نہیں ہوتے ہیں) بلکہ ایک اندرونی قوت بھی
صرف اعتقاد کی قوت تھی جس نے عرب بادیہ نشین کو کسریٰ
وقیصر کی ٹڈی دل اور تواعد داں فوج پر غالب کر دیا[۲]

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق
ہوتی ہے۔

ایمان کا لازمی نتیجہ محبت اور محبوبیت ہے	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ $\frac{۲}{۱۶۵}$	جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے ۔

یعنی تمام ماسوا کے "بت" دل سے نکل کر دل صرف اللہ کا جلوہ گاہ بنتا ہے
اور اس سے محبت اور تعلق اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ عزیز سے عزیز

---

[۱] روح الاجتماع ص ۱۷۷ [۲] فلسفۂ اجتماع ص ۲۰۲ ۔

Marfat.com

ترین تعلقات کی کوئی قیمت رہتی ہے اور نہ نشان وشوکت والی طاقتوں کی کوئی حیثیت۔
انسان جب تعلق باللہ کے اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو اللہ کا تصور زندگی کے تمام گوشوں میں چھا جاتا ہے اور نیابت الٰہی کے خدوخال ابھر آتے ہیں جس کی بنا پر فکر و نظر میں وسعت۔ دل میں قوت جذب اور شعور میں بیداری پیدا ہوتی ہے نیز اخلاق و کردار صفات الٰہی کا مظہر بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے

لا یسعنی الا قلب مومن	میری سمائی بجز قلب مومن کے
(الحدیث)	اور کہیں نہیں ہوتی ہے۔

دوسری آیت۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ	اے پیغمبر ایمان والوں سے یہ بات
وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ	کہدیجئے کہ اگر تمھارے باپ اور
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ	بیٹے تمھارے بھائی تمھاری بیویاں
وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا	تمھاری برادری تمھارا مال جو
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	تم نے کمایا ہے تمھاری تجارت جس
وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ	کے مندا پڑجانے کا ڈر رہے اور
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	تمھارے رہنے کے پسندیدہ مکانات
وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا	(یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ سے
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔	اس کے رسول سے اور اس کی راہ
۹/۲۴	میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب

رہیں تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو (جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آئیوالا ہے)

Marfat.com

یہ اللہ کا حکم قومی موت اور ذلت وخواری کی شکل میں ہوتا ہے اور محبت ومحبوبیت میں کمی بیشی کے لحاظ سے اس حکم کے درجہ مختلف ہوتے ہیں ۔

تیسری آیت

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۵۹/۲۲	یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتا ہوا پائیں اگرچہ وہ دشمن ان کے آباء واجداد آل اولاد، بھائی بند، اور کنبہ قبیلہ ہی کے کیوں نہ ہوں دراصل اسی درجہ کے ایمان رکھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان قائم ہو چکا ہے اور جن کی غیب کے فیض سے تائید ہوتی ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان اور اس کا لازمی نتیجہ محبت ومحبوبیت انسان کے ارادہ وتصرف قول وفعل دوستی ودشمنی وغیرہ سب پر چھایا ہوتا ہے اور یہی اس کی شناخت ہوتی ہے ۔

ایمان جان اور مال کا سودا ہوتا ہے

ایمان کی حقیقت سمجھنے کے لئے درج ذیل آیت بھی خاص اہمیت رکھتی ہے ۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ
لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ
وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ
وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى
بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ
بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ

٩/١١١

بلا شبہہ اللہ نے مومنوں سے اس
قیمت پر ان کی جانیں بھی خرید لی
ہیں اور ان کا مال بھی کہ ان کے لئے
بہشت کی جاودانی زندگی ہے
چنانچہ وہ کسی دنیوی مقصد میں نہیں
بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں
اس جنگ میں وہ مرتے بھی ہیں اور
مارتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ
ہو چکا ہے اور تورات. انجیل اور
قرآن تینوں کتابوں میں یکساں
عہ طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ
سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو پورا
کرنے والا ہے پس مومنو تمھیں
اس سودے پر خوشیاں منانا چاہئے۔

عہ یہاں اس شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مال دیکھے بغیر کیسے سودا ہو گیا؟ اس لئے کہ نسل انسانی کے پدر بزرگوار حضرت آدم علیہ السّلام کو ایک مدت تک جنت میں رکھا گیا تھا اور اسے اچھی طرح دکھا دیا گیا تھا نیز معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمپنی کے چیف ڈائرکٹر کی حیثیت سے جنت کو دکھایا گیا تھا نسل انسانی کے لئے یہ دونوں بزرگ شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کا دیکھنا گویا سب کا دیکھنا ہے جو تجارت کمپنی کی بنیاد پر ہوتی ہے اس میں تمام شرکار کے لئے مال کا د (باقی صفحہ ۹۵ پر)

ایمان جان و مال کا سودا ہوتا ہے نہ جان اپنی رہ جاتی ہے اور نہ مال اپنا رہتا ہے البتہ مومن کے ذمہ یہ کام باقی رہتا ہے کہ وہ اسباب (جان و مال) حوالہ کرکے اس کی قیمت وصول کر لے۔

آیت میں زندگی کا عجیب و غریب فلسفہ بیان ہوا ہے یہ طرز تعبیر ہی نفسیاتی لحاظ سے نہایت دوررس نتائج کا حامل ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم یہ فلسفہ اپنانے کے باوجود بھی ذلیل و خوار اور ہلاک ہو سکتی ہے؟

ایمان کا مدار اور موقوف علیہ ہجرتؔ، جہادؔ اور نصرتؔ ہیں

اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن حکیم میں ہجرتؔ، جہادؔ اور نصرتؔ کو ایمان کا مدار اور موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سلسلہ کی آیتیں یہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے۔ اللہ کی راہ
وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	میں اپنا گھربار چھوڑا۔ جہاد کیا۔
وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا	لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	کی حقیقت میں یہی سچے مومن
حَقًّا ۞	ہیں۔

دوسری آیت

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	اے ایمان والے وہی لوگ ہیں جو
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

(بقیہ ص۹۴) دیکھنا ضروری نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ڈاکٹر کا چیف ڈاکٹر کا دیکھنا ہی کافی ہوتا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ $\frac{49}{16}$

لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

تیسری آیت۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ۔ $\frac{9}{21}$

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تینوں آیتوں میں بالترتیب "هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"۔ "هُمُ الصّٰدِقُوْنَ"۔ اور "هُمُ الْفَائِزُوْنَ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہجرت۔ جہاد اور نصرت کے بغیر نہ تو قرآنی ایمان حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم کامیاب ہوتی ہے۔

تینوں کی تعریف و تشریح

ذیل میں ہر ایک کی تعریف کی جاتی ہے جس سے قومی زندگی میں تینوں کا مقام اور کردار واضح ہوگا۔

الہجرات - ایمان کو بروئے کار لانے کی خاطر ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا اترنا حتیٰ کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آجائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔

Marfat.com

نصاب ۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مشکلات و مصائب کے وقت انھیں سنبھالے رکھنا یعنی زندگی کی تشکیل باہمی تعاون و تشارک اور ایثار و قربانی کی بنیادوں پر ہونا۔

جہاد ۔ ایمانیات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا۔ ہاتھ پاؤں سے اسی کے لئے دوڑ دھوپ کرنا۔ زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اسی کے لئے تدبیریں سوچنا غرض تمام امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرنا اور جب جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو اس میں بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جاھدوا المشرکین بانفسکم	مشرکین سے جہاد کرو جان و مال
و اموالکم و السنتکم[1]	اور زبان کے ذریعہ۔

اور

جاھدوا اھواءکم	اپنی خواہشات کے خلاف جہاد
کما تجاھدون	کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف
اعداءکم[2]	جہاد کرتے ہو۔

امام راغب اصفہانی جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں ۔

استفراغ الوسع فی	دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری

---

[1] نسائی وابوداؤد [2] ایضاً۔

Marfat.com

مدافعة العدوّ ظاھرا وباطنا۔[1] قوت و وسعت لگادینا، یہ دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس و شیطان)

جہاد ایک فطری حقیقت ہے مدافعانہ اور جارحانہ پر تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے بعضوں نے قتال کا ہم معنی سمجھ کر مدافعانہ اور جارحانہ کی تقسیم کی ہے نیز مدافعانہ کی اجازت تسلیم کی ہے اور جارحانہ سے انکار کیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو اس کی تقسیم کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے یہ تو ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کرکے وہ عروج و بقار کی منزلیں طے کرتی ہے۔

چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔
"اے لوگو غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالےٰ اس کو ذلیل وخوار اور رسوا کر دیتا ہے۔"
ذیل کی آیت سے بھی تائید ہوتی ہے۔

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ	اے ایمان والو تمھیں کیا ہو گیا ہے
إِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ	کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَی الْأَرْضِ	کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمھارے
أَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا	پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے
مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا	ہیں کیا تم آخرت کے مقابلہ میں

---

[1] مفردات امام راغب اصفہانیؒ

Marfat.com

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

دنیوی زندگی پر ریجھ گئے ہو حالانکہ دنیوی زندگی کی متاع تو اس کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے اگر اس راہ میں قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا اور تمہاری جگہ کسی - - - - - گروہ (قوم) کو لا کھڑا کرے گا - - - - - اور پھر تم اس کا کچھ نہ کرسکو گے وہ ہر شئی پر قادر ہے

۳۹/۹

فی سبیل اللہ کی حقیقت اور اس کا مقصد

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ ہم کی ساری جدوجہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور دستوں میں ہوتا ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ج ۱۵

جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (الحدیث)

(جہاد کرو) تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے۔

Marfat.com

صرف "اعلاء کلمۃ اللہ" مقصود ہو۔ نفسانی جذبات اور انتقامی جوش کا اس میں شائبہ بھی نہ پایا جائے۔

چنانچہ جہاد کے جو اصول و ضوابط مقرر ہیں اور دور اول کے مسلمانوں نے جس طرح انھیں عملی جامہ پہنایا ہے ان کے پیش نظر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فتنہ و فساد کے ختم کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ نیز اس کے بغیر نہ صالح تمدن پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نشو و ارتقار کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور چند شہادتیں

جن متعصب مؤرخوں نے جہاد کو وحشیت و بربریت کا مظاہرہ قرار دیا ہے وہ دراصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیلو" حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے محروم ہو گئے ہیں۔[1] اس لئے ان کی طرف متوجہ ہونا نتیجہ کے لحاظ سے بے سود ہے۔ البتہ ذیل میں چند اقتباس دیئے جاتے ہیں جن سے جہاد کی حقیقت اور اسلام کی عالمگیر افادیت و رحمت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے آخری یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں ایک نسطوری پادری نے مجاہدین کے بارے میں جو تاثرات سپرد کاغذ کئے تھے یہ ہیں۔

> "یہ طائی (عرب) جنھیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسر پیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں

---

[1] تاریخ عرب ص ۱۰۷۔

Marfat.com

اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔[۵۱]"

پروفیسر "واکر" قانون بین الممالک کی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت و حکومت کا مالک بن جانا تاریخ کا ایک عادی واقعہ ہے لیکن چنگیز و تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ عرب کے بدو جب اپنے صحرائی بر اعظم سے باہر کی دنیا میں امنڈنے لگے تو ان عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جا سکتا کیونکہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاق حسنہ نظر آتے ہیں۔[۵۲]"

کلیسائی تاریخ و جغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکو بائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انھوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا۔ در اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیا دی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے۔[۵۳]"

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود مختار وحدت کے تصور کو سب سے پہلے اس مذہب نے

---

[۵۱] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۴۳ بحوالہ پادری اصفهانی اور دخو بے کی کتاب [۵۲] ایضاً ص۵۱ بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن [۵۳] ایضاً۔

عملی جامہ پہنایا جس کو کور باطن لوگ وحشت و بربریت کا مذہب کہتے ہیں آج کل کی مہذب دنیا اپنے تمام تر دعوؤں اور دعووں کے باوجود غیر مذہب والوں کے سا
اس قسم کی وسعت اور فراخ حوصلگی کا تصور بھی نہیں کر سکی ہے چہ جائیکہ اس پر عمل کیا ہو۔

ایمان کے لئے مرکزیت اطاعت اور اتحاد تینوں ضروری ہیں

قرآنی ایمان کے لئے مرکزیت ۔ اطاعت اور اتحاد تنظیم کے ان تینوں بنیادی عنصر کا پایا جانا لازمی ہے۔
تنظیم کی جان "وحدت فکر" ہے جب تک افراد کے خیالات وعقائد میں احساسات و فوائد میں عمومیت اور اتحاد نہ ہو اس وقت تک کوئی تنظیم صحیح معنوں میں نتیجہ خیز اور بار آور نہیں بن سکتی ہے۔ ایمان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ افراد کی زندگی میں وحدت فکر پیدا کرتا ہے پھر اسی راستہ پر ساری منزلیں طے ہوتی ہیں۔

چند آیتیں یہ ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳	اے مومنو سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۳۳/۳۶	جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو پھر کسی مومن اور مومنہ کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار نہیں باقی رہتا ہے۔

Marfat.com

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ — آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت

حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ — تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتے ہیں

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا — جب تک اپنے تمام جھگڑوں اور

فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا — قضیوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ — حتیٰ کہ ان کے دل کی ایسی حالت

ہو جائے کہ جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں

۴/۶۵ — اس کے خلاف کسی طرح کی کھٹک

. . . . — نہ محسوس کریں اور جس طرح کسی

. . . . — بات کا ٹھیک تسلیم کر لینا ہوتا ہے

. . . . — اسی طرح تسلیم نہ کرلیں۔

ماہر نفسیات نے اعلیٰ قسم کی تنظیم کے لئے درج ذیل باتیں ضروری قرار دی ہیں:

(۱) قوم کے افراد آپس میں اور اپنے قائد کے ساتھ دل و جان سے عاشق ہوں۔

(۲) اجتماعی مقصد کو اپنا عین مقصد سمجھتے ہوں۔

(۳) ایک دوسرے کی مراعات اور پاسداری کو فرض عین جانتے ہوں۔

جس تنظیم میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی ان کے نزدیک وہ اخلاقی ماہیت کو ترقی دئے اور غلبہ حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی ہے[۵]۔ دراصل یہ اصول انہوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں قرآنی تنظیم سے اخذ کئے ہیں جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ

---

[۵] معاشرتی نفسیات ص۲۲۵۔

ان کی زندگی میں یہ پائے جاتے ہیں۔ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

ایمان کا تقاضا پیہم حرکت اور مسلسل سعی و عمل ہے

ایمان ہمیشہ عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے یہ بات ناممکن سی ہے کہ کوئی قوم و جماعت کسی اصول و نظریہ پر ایمان رکھتی ہو اور پھر وہ اس کو بروئے کار لانے کے لئے سرتاپا عمل نہ بن جائے اور اگر ایمان کے دعویٰ کے ساتھ عمل نہ پایا جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان پختہ نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں بکثرت "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" آیا ہے ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ذیل کی آیات میں مومنوں کے واسطے "اعلون" بنکر رہنے ان کی مدد کرنے اور خلافت و نیابت کے حاصل ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے ان سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۹	تم ہمت نہ ہارو غمگین نہ ہو اگر (سچے) مومن ہوگے تو تم ہی غالب رہوگے۔
(۲) كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔	ہمارے اوپر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

(۳) آیۂ استخلاف میں تین باتوں کا وعدہ ہے۔

(ا) یہ کہ مومنوں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ"

(ب) یہ کہ انھیں اپنے نظریات و آئین حیات پر آزادی اور قوت کے ساتھ عمل کرنے کا موقع ملے گا "وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى"

Marfat.com

(ج) یہ کہ انھیں ہر طرف سے امن اور بے خوفی حاصل ہوگی" وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ صداقتیں اسی صورت میں پائی جا سکتی ہیں جب کہ ایمان کے ساتھ عمل ہو۔ جیساکہ دورِ اوّل میں یہ سب اسی صورت میں مسلمانوں کو حاصل ہو چکی ہیں۔

ایمانی اعمال کی اجمالی فہرست | ذیل میں چند آیتوں کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے جن سے اعمال و اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) معاملات صلح و صفائی کے ساتھ درست رکھنا (۲) زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرمی دکھانا (۳) زندگی کے نشیب و فراز میں اللہ کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈرنا $\frac{۳}{۸}$ (۴) نماز میں خشوع و خضوع قائم رکھنا۔ (۵) لغو باتوں اور لغو حرکتوں سے الگ رہنا (۶) زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہنا (۷) ستروں کی حفاظت کرنا (۸) امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھنا $\frac{۲۳}{۱۱}$ (۹) آخرت پر یقین رکھنا $\frac{۲}{۱}$ (۱۰) ندامت اور عزم و استقلال کے ساتھ توبہ کرنا (۱۱) زندگی میں عابدانہ شان نمایاں ہونا۔ اللہ کی حمد کرنا (۱۲) علم اور حق کی معرفت اور جہاد کے لئے سیر و سیاحت کرنا (۱۳) نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا (۱۴) حقوق و فرائض کی نگہداشت کرنا $\frac{۹}{۱۲}$ (۱۵) شدت و مصیبت کے وقت صبر و تحمل سے کام لینا (۱۶) قول و عمل میں سچا اور پکا ہونا (۱۶) رات کے آخری حصّہ میں اللہ کے حضور کھڑے ہونا اور مغفرت طلب کرنا $\frac{۳}{۱۴}$ (۱۷) خوشحالی و تنگدستی ہر حال میں اللہ کے لئے خرچ کرنا (۱۸) غصّہ کی حالت میں بے قابو نہ ہونا

Marfat.com

(۱۹) قصور معاف کردینا ۳۳/۱۳۴ (۲۰) آپس میں نرم رہنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں سخت رہنا (۲۱) اللہ کی راہ میں کسی ملامت کی پرواہ کرنا اور جان تک لڑا دینا ۵/۵۴ (۲۲) برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنا ۳۴/۴۲ (۲۳) یا برابر سرابر بدلہ لینا حد سے آگے نہ بڑھنا ۴۰/۴۲ (۲۴) قول اور عمل سے جھوٹی شہادت نہ دینا ۲۶/۱۹ (۲۷) لغو اور بری باتوں سے شریفوں کی طرح گذر جانا ۳۶/۲۶ (۲۸) بدی کا ارتکاب کرنا ۲۶/۹۹ (۲۹) بے حیائی کی باتوں سے الگ رہنا ۲۵/۳۵ (۳۰) نیکی اور بھلائی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ۲۳/۴۸ (۳۱) ناپ تول میں کمی نہ کرنا ۱۱/۸۴ (۳۲) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنا ۲۵/۴۲ (۳۳) تمام معاملات میں ایمان کی روح سرایت کی ہوئی ہونا وغیرہ ۲/۸ ۔

ایمانی زندگی میں قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو اہمیت دینے کی وجہ

قرآن حکیم کے بیشتر مقامات میں قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کو ایمانی زندگی کا اہم جزء قرار دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ انسانی کردار کو ایمانی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے مستقل تربیت گاہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ — بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

اس کے ذریعہ ذہنی تربیت ہوتی ہے روحانی زندگی کو قوت حاصل ہوتی ہے اور جماعتی نظم و نسق چلانے کے لئے خاص زاویۂ نگاہ سامنے آتا ہے۔ گویا تشکیل جماعت اور تشکیل حکومت کا پورا نقشہ اس میں موجود ہے۔

"ادائے زکوٰۃ" کی تاکید اس لئے ہے کہ معاشرتی زندگی میں ایمانی رنگ

بھرنے کے لئے معاشی توازن برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے جس طرح مذہب واخلاق سے بے راہ روی انسان کو معاشی حیوان بنا ڈالتی ہے اسی طرح معاشی عدم توازن کی ذہنیت مذہب واخلاق کے اونچے سے اونچے قلعوں تک کو مسمار کر دیتی ہے یہ دونوں بہت حد تک ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اسی بنا پر انبیار علیہم السلام کے مقاصد میں ان دونوں کی اصلاح داخل تھی یہ کہنا غلط ہے کہ وہ صرف اخلاقیات کے معلم تھے۔

انسانی زندگی پر ایمان کے مجموعی اثرات

قرآن حکیم نے ایمان باللہ کے ساتھ رسالت اور آخرت وغیرہ جن جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے نفیاتی اثر کے لحاظ سے یہ مجموعہ انسان کو وہ سب کچھ دے دیتا ہے جس کی ایک صالح اور نمو پذیر معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے کلی اور عمومی حیثیت سے اس کی تعبیر اس طرح کی جا سکتی ہے۔

(۱) قلب کی اصلاح ہوتی ہے جو باطنی محرکات کا سرچشمہ ہے۔

(۲) ذہن اور زاویۂ نگاہ میں تبدیلی ہوتی ہے۔

(۳) اعلیٰ درجہ کی قوت ارادی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) خیالات پر قابو رکھنے قوت فیصلہ کو مضبوط بنانے اور حرکات و سکنات میں شائستگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

(۵) زندگی کے ہر میدان میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھانے اور فکر و عمل کے ہر گوشہ میں حزم و احتیاط سے کام لینے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے جسے قرآن حکیم نے "تقویٰ" کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے "تقویٰ" دراصل ایک نہایت لطیف روحانی

Marfat.com

کیفیت کا نام ہے جس کا تعلق "قلب" سے ہے اس سے انسان اتنا حساس بن جاتا ہے کہ خیر و شر میں تمیز کرنے لگتا ہے اور اتنا بیدار ہو جاتا ہے کہ قدم ڈگمگانے کی صورت میں فوراً خلش محسوس کرتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں ذات خداوندی "قلب مومن" میں جلوہ فرما رہتی ہے اور اسی کے "نور" سے وہ روشنی حاصل کرتا ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ (الحدیث) — مومن کی "فراست" سے ہوشیار رہو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

(۶) ایسی سیرت پیدا ہوتی ہے جو زندگی پر چھا کر اس کی پوری دنیا بدل دیتی ہے۔

(۷) جلوت و خلوت ہر موقع پر انسان کی امانت و دیانت اور عدالت و شرافت کی محافظ ہوتی ہے۔

ایک طرف یہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں اور دوسری طرف تمام ان باتوں سے اجتناب ہوتا رہتا ہے جو اندرونی سرچشمہ کو گدلا کر کے بالآخر تمدن کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہیں مثلاً جمود و تعطل۔ غفلت و قساوت۔ جہالت و حماقت۔ ہوسناکی و شہوت پرستی۔ حرص و طمع۔ فحش و بدکاری۔ ناشائستہ و غیر مہذب حرکات۔ جاہلانہ و سوقیانہ اطوار اور خلق خدا کی ایذا رسانی وغیرہ۔

ایمان کو دل کی گہرائیوں میں اُتارنے اور بار آور بنانے کے لئے تربیت کی ضرورت ہے

اس میں شک نہیں کہ یہ مجموعۂ ایمان بذات خود نفسیاتی تربیت گاہ اور اخلاقی مدرسہ ہے لیکن اسے دل کی گہرائی میں اتارنے کے لئے اور قومی و جماعتی زندگی میں بار آور بنانے کے لئے پھر بھی صالح قیادت اور اس کے زیر اثر تربیت کی ضرورت

Marfat.com

باقی رہتی ہے۔

انسانی سرشت کی طرفگی و نیرنگی کا حال ہی کچھ عجیب ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ قدرت کی جانب سے صرف نقشۂ تعمیر (کتاب) نہیں عطا کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی سرکاری سطح پر انجینیر (رسول) کا تقرر بھی ہوتا رہا ہے تاکہ وہ موانع اور رکاوٹوں کو دور کرکے نقشہ کے تمام خد و خال زندگی میں ابھارنے کے فرائض انجام دے

چنانچہ قرآن حکیم نے تزکیۂ نفس اور تربیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم مقصد قرار دیا ہے۔ (وَیُزَکِّیْھِمْ)

اور اصل کامیابی کا سہرا انھیں کے سر باندھا ہے جنھوں نے تزکیۂ نفس کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ — وہ شخص کامیاب رہا جس نے اپنے

خَابَ مَنْ دَسّٰھَا . . . . کو برائیوں سے پاک و صاف کیا

. . . . اور وہ ناکام رہا جس کو برائیوں

. . . . ۹۱/۱۰ نے دبا لیا۔

تزکیۂ نفس اور تربیت ہی کے ذریعہ قومی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور شخصیت کی ٹھیک تنظیم ہوتی ہے۔ جدید دور کے مصنفین نے بھی تربیت پر کافی بحث کی ہے اور اس کو بقاء و ارتقاء کے لئے مدار قرار دیا ہے[۵]

نیز جن لوگوں کی نظر سے انقلاب کی تاریخیں گذری ہیں وہ جانتے ہیں کہ انقلاب کی کامیابی و استحکام کا تمام تر دار و مدار صرف افراد کی تربیت پر ہے جس قدر اس میں کوشش ہوتی ہے اسی قدر انقلاب میں استواری اور پائداری

---

[۵] ملاحظہ ہو نظام حال ج ۲ از موسیو تامین اور روح الاجتماع از لیبان۔

Marfat.com

پیدا ہوتی ہے۔[۵] فلسفۂ تاریخ کا بھی یہی مسلمہ فیصلہ ہے کہ

> "قومیں خطیبانہ بلند آہنگیوں اور جذبات انگیز استعارہ طرازیوں سے نہیں بنتی ہیں بلکہ اپنی تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتوں سے بنتی ہیں۔"[۶]

اور یہ صورت حال پیدا ہونا تربیت کے بغیر ناممکن ہے۔

(۲) عمل صالح

دوسرا بنیادی اصول "عمل صالح" ہے۔

قرآن حکیم نے جس حقیقت کو عمل صالح سے تعبیر کیا ہے اس سے چند ظاہری مراسم و اعمال اور چند رواجی نیکیاں مراد نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم اخلاقیت اور مادیت کے ہر شعبہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ البتہ پہلے کی حیثیت بنیادی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور نہ عالمی تصرفات مفید عام بنتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں اسی کی زیادہ تر تفصیلات ملتی ہیں۔ رہی دوسری قسم (مادیت) تو مرکز اور بنیاد کے تعین کے بعد زمانہ کی مناسبت سے عقل اور تجربہ خود بخود اسے آگے بڑھاتا رہتا ہے اس لئے نہ اور کسی رہنمائی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بیان میں اس کو سمیٹا جا سکتا ہے۔

عمل صالح کی تحقیق و تفصیل یہ ہے۔

لفظ صالح کی لغوی تحقیق اور چند محاورے قاموس۔ صراح۔ المنجد۔ لسان العرب وغیرہ لغات میں ہے۔

[۵] ملاحظہ ہو انقلاب یورپ کی تاریخ [۶] از فلسفۂ اجتماع۔

Marfat.com

"صلح ضد افسد الصالح ضد الفاسد القائم بما عليه
من الحقوق والواجبات ويقال هو صالح لكذا ای
فيه اهلية للقيام به والصلاحية حالة
يكون بها الشئ صالحاً"

(ترجمہ) "صلح (ماضی) افسد کی ضد ہے اور صالح (اسم فاعل)
فاسد کی ضد ہے۔ جو حقوق و فرائض کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرے
وہ صالح ہے چنانچہ "صالح لکذا" اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص
میں کسی کام کے قائم (انتظام) کرنے کی اہلیت ہو۔ صلاحیت اس
حالت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد شئی صالح بنتی ہے۔"

کلام عرب کے چند محاورے یہ ہیں۔

(۱) صلحت حال فلان[۱] ای زال عنه الفساد (۲) هذا یصلح
لك صلاحاً[۲] ای یوافقك (۳) اصلح غیث ما افسد البرد[۳] یہ اس وقت
کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دوسرے کی بگاڑی ہوئی چیز کو درست کرتا ہے۔ (۴)
مالا یصلح ترکه اصلح[۴] (۵) اصلح نفسك یصلح لك الناس[۵] (۶) له حظ[۶]

---

[۱] فلاں کی حالت صالح ہوگئی یعنی اس سے فساد کے جراثیم زائل ہوگئے۔ [۲] یہ
تیرے لئے صالح ہے یعنی تیری موافقت کرتا ہے۔ [۳] جس کو اولے نے خراب کر دیا تھا
اسے بارش نے درست بنا دیا۔ [۴] جو چیز درست اور موافق نہ ہو اس کا ترک کر دینا
زیادہ درست اور موافق ہے۔ [۵] اپنی اصلاح کر لے لوگ تیرے موافق ہو جائیں گے۔ [۶]
اس کو ادب سے بہت کافی حصہ ملا ہے۔

صالح من الادب ای کثیر وافر (۲) اتتنی صالحۃ من فلان ای[5] نعمۃ وافرۃ او حسنۃ عظیمۃ۔

[6] اور ۲ کے علاوہ (کہ ان میں صالح اور صالحہ کا لفظ بطور کنایہ استعمال ہوا ہے) بقیہ اوپر کے تمام محاورے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کلام عرب میں صالح کا لفظ جس موقع پر جس کام کے سلسلہ میں بولا جاتا ہے؛ وہاں اس کی مناسبت سے صلاحیت اور موافقت مراد ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں صالح کے مفہوم کی عمومیت کا ثبوت

قرآن حکیم میں لفظ "صالح" کے استعمال میں عمومیت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ اس کا ثبوت درج ذیل آیات سے ہوتا ہے۔

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ	اے اللہ اگر آپ ہمیں ایک تندرست
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا	بچہ عطا فرمائیں تو ہم دونوں آپ
صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ	کے شکر گذار ہوں گے۔ پھر جب
فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	اللہ نے انھیں ایک تندرست
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	بچہ دے دیا تو وہ اس میں دوسری
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [7] ۱۸۹	ہستیوں کو شریک کرنے لگے۔

بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین کے یہ جذبات ہوتے ہیں کہ میرا بچہ صحیح وسالم اور تندرست وخوبصورت ہو اس کے اعضاء۔ جوڑ بند۔ صورت شکل وغیرہ سب درست ہوں۔ والدین کے اس مفہوم کو قرآن حکیم نے "صالح" کے

[5] فلاں شخص کی طرف سے ایک بڑی نعمت یا بڑی نیکی حاصل ہوئی۔

Marfat.com

جامع لفظ سے ادا کیا ہے چنانچہ مفسرین نے اس کا ترجمہ "سوئی" قد صلح بدنه "ولداً ذکراً" وغیرہ الفاظ سے کیا ہے جس میں والدین کے جذبات اور بچہ کی مناسبت سے صلاحیت کا مفہوم ملحوظ ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ — زمین کی اصلاح کے بعد اس میں
بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۵۶ — فساد نہ پھیلاؤ۔

آیت میں دعوتِ حق کے ظہور کو اصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ قلوب میں صلاحیت کی تخم ریزی ہوتی ہے اور پھر اعمال و افعال کی شکل میں اس کے برگ و بار نمودار ہوتے ہیں۔

احادیث سے عمومیت کا ثبوت | لفظ "صالح" کے استعمال میں عمومیت کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا

اتقوا اللہ فی ھذہ البھائم — ان گونگے جانوروں کے بارے
المعجمۃ فارکبوھا صالحۃ — میں اللہ سے ڈرو۔ توی اور
واترکوھا صالحۃ[1] — تندرست ہونے کی حالت میں
. . . . ان پر سواری کیا کرو اور اسی
. . . . حالت میں انھیں چھوڑ دیا کرو (ایسا
نہ ہو کہ جب وہ تھک تھکا کر سواری و بار برداری کے قابل نہ رہ جائیں
اس وقت انھیں چھوڑو)

---

[1] مشکوٰۃ۔

Marfat.com

حدیث میں دونوں جگہ "صالحہ" سے جسمانی صحت وقوت مراد لی گئی ہے۔

دوسری جگہ ہے

ان فی الجسد لمضغۃ اذا	انسان کے بدن میں گوشت کا
صلح صلح الجسد کلہ واذا	ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست
فسد فسد الجسد کلہ	ہوجاتا ہے تو پورا بدن درست
الا وھی القلب	رہتاہے اور جب وہ خراب ہوجاتا
(الحدیث)	ہے تو پورا بدن خراب ہوجاتا
- - - - - -	ہے وہ لوتھڑا انسان کا دل (باطنی
. . . . . .	محرکات کا سرچشمہ) ہے

اس میں قلبی و روحانی صلاحیت پھر اعمال و افعال کی صلاحیت کا تذکرہ ہے

مفسرین کی تصریحات سے عمومیت کا ثبوت "صَالح" کے بارے میں مفسرین کی رائیں درج ذیل ہیں۔
تفسیر مدارک میں ہے

والصالحات کل ما استقام	صالحات سے مراد تمام وہ اعمال
من الاعمال بدلیل العقل	ہیں جو درست اور صحیح ہوں خواہ
والکتاب والسنۃ[1]	ان کی صحت کتاب وسنت سے
	ثابت ہو یا عقل سے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں۔

وھی من الاعمال ما سوغہ تمام وہ اعمال جن کو شریعت نے

---

[1] مدارک ص۱۲۔

Marfat.com

الشاع وحسنه[1] ۔ جائز رکھا اور جن کی تحسین کی ہر دوسری جگہ ہے۔

والفساد خروج الشیٔ من الاعتدال والصلاح ضده وکلاهما یعمان کل ضار ونافع[2]

فساد کی حقیقت کسی شے کا حد اعتدال سے نکل جانا اور صلاح اس کی ضد ہے یہ دونوں بالترتیب ہر نقصان دہ اور نفع بخش چیزوں کو عام ہیں

شیخ محمد عبدہٗ مصری کہتے ہیں

وهی الاعمال التی عدت بالتفصیل فی القرآن و جماعها ان تکون نافعا لنفسك ولاهلك ولقومك والناس اجمعین[3]

وہ اعمال جن کی تفصیل قرآن حکیم میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام وہ کام مراد ہیں جو اپنی ذات کے لئے گھر والوں کے لئے قوم کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے نافع ہوں

مذکورہ بالا تصریحات سے حسب ذیل دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) صالح کا مفہوم عام ہے موقع کی مناسبت سے اس کا تعین ہوتا ہے

(۲) جسمانی و روحانی دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] بیضاوی ص۳۲ ۔ [2] بیضاوی ص۲۹ ۔

[3] تفسیر پارہ عم سورہ والعصر ص۱۵۵ ۔

Marfat.com

قیام و بقا کے لیے عمل صالح کے ذکر میں سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں مراد ہیں

قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق "صالح" بننے کے لیے اخلاقیت اور مادیت دونوں کی ضرورت پہلے مذکور ہو چکی ہے اس لئے جہاں کہیں بھی قیام و بقا اور خلافت کے سلسلہ میں عمل صالح کا ذکر آیا ہے وہاں (۱) سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں قسم کی صلاحیتیں مراد ہوں گی۔ مثلاً

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ. ۲۱/۱۰۵	ہم نے زبور میں ذکر (نصیحت) کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت (حکومت) میرے صالح بندوں کے حصّہ میں آئے گی

مومنوں سے وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ ۲۴/۵۵	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں اپنا خلیفہ (حاکم) بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو (اسی بنا پر) خلیفہ بنا چکا ہے اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ جما دے گا

(اور خوف کے بدلے انھیں امن عطا فرمائے گا)

Marfat.com

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کارخانہ کا مالک کسی ناقابل شخص کو کارخانہ کا انتظام نہیں سپرد کرتا ہے تو اس بات کی کیسے توقع رکھی جائے کہ دنیا کے کارخانے کا انتظام کسی نااہل قوم کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جب زندگی کے ہر گوشہ میں یہ اصول کارفرما ہے کہ انسان جس درجہ کی چیز کا طلب گار ہو اس کی مناسبت سے صلاحیت پیدا کرنا ضروری ہے تو قیام و بقا اور حکومت و نیابت کے معاملہ میں یہ اصول کیونکر فراموش ہوگا اور اس کی تیاری کئے بغیر صرف مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر اہلیت و صلاحیت کی کیسے سند مل جائے گی؟

قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے

جدید دنیا نے اس صلاحیت کے لئے عالمی تصرفات پر زیادہ زور دیا ہے اور تشکیل سیرت کے معاملہ میں بہت حد تک غفلت سے کام لیا ہے لیکن قرآن حکیم نے دونوں پر یکساں زور دیا ہے اور سیرت کی تشکیل کو بنیاد ٹھہرایا ہے۔ تاکہ مادیت کے مضر اثرات سے حفاظت رہے

رہی یہ بات کہ قرآن حکیم نے عالمی تصرفات کی تفصیلات کیوں نہیں بیان کیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیرت سازی کے مقابلہ میں یہ کام زیادہ آسان ہے کیونکہ اس میں باہر کی رہنمائی کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ عقل و تجربہ کی رہنمائی ہی کافی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ عالمی تصرفات انسان کی غیر محدود خواہشوں اور ضرورتوں کی پیداوار ہیں اور یہ دونوں بیحد متنوع اور معاشرہ کی ارتقار کے ساتھ بدلنے والی ہیں بخلاف اس کے سیرت کا نظام چند ابدی حقائق اور ناقابل تغیر اخلاقی قوانین پر قائم ہے اس لئے ایک پر قرآن حکیم نے تفصیلی بحث کی ہے اور دوسری

Marfat.com

میں مرکز اور بنیاد متعین کرنے پر اکتفا رکیا ہے۔ پھر بھی جن لوگوں نے قرآن حکیم کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک بڑے حصّہ میں اس نے حقائق موجودات۔ محاسن کائنات۔ مناظر قدرت۔ مظاہر فطرت اور تسخیر کائنات کا ذکر کیا ہے اور بہت سی آیتوں میں زمین۔ پہاڑ۔ دریا۔ نہریں۔ پھل۔ کھیت۔ سورج۔ چاند۔ ابر۔ بارش۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا۔ پانی وغیرہ کا تذکرہ ہے جس سے یہی مقصد ہو کہ انسان اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق ان سے فائدہ اٹھائے۔ اور ان میں غور و فکر کے ذریعہ ایسی جدت پیدا کرلے کہ جس سے ایک طرف تو صناع فطرت کی گل کاریوں کا راز افشا رہو اور دوسری طرف باغ کے سجانے میں وہ زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

اصل یہ ہے کہ کائنات کی جو امانت انسان کے سپرد ہے اور جو ذاتی صلاحیتیں جو اسے عطا کی گئی ہیں ان سے اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک ارتقار کی فطری رفتار کے مطابق مادی و معنوی ہر گوشہ میں اپنے قیام و بقاء کا سامان نہ فراہم کرلے۔

عالمی تصرفات سے متعلق چند آیتیں

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں عالمی تصرفات کا بیان ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ	اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہئے
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ	کہ اللہ کی زینتیں رجائز لذات،
مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ	جو اس نے بندوں کے برتنے کیلئے
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی

خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۔ ۔ ۔	اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟
. . . .	آپ کہئے کہ یہ نعمتیں تو اسی لئے ہیں کہ
. . . .	دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے
. . . .	کام آئیں قیامت کے دن یہ تکدر کی
۷/۳۲	آمیزش سے خالص ہوں گی۔

ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں۔

وھی خالصۃ یوم القیمۃ لھم	مومنوں کے لئے قیامت کے دن نقص
من شوائب التنقیص والتکدر[1]	اور تکدر سے پاک وصاف ہوں گی۔
هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی	وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے
الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	واسطے زمین کی ساری چیزیں
۔ ۔ ۔ ۔ ۲/۲۸	پیدا کیں۔
وَلَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ	ہم نے تمہیں زمین میں قدرت و
وَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡهَا	طاقت اور اختیار کے ساتھ بسایا
مَعَایِشَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	اور تمہارے لئے اس میں زندگی
۔ ۔ ۔ ۷/۱۰	کے سامان مہیا کئے۔
وَجَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡهَا	ہم نے تمہارے لئے معیشت کا
مَعَایِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ	سروسامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات
لَهٗ بِرٰزِقِیۡنَ ۔	کے لئے بھی جنہیں تم مہیا کرنے

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۱۔

Marfat.com

والے نہیں ہو۔

۱۵/۱۹

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ — انسان کو وہی ملتا ہے جس کی
اِلَّا مَا سَعٰى ۵۳/۴۱ — وہ کوشش کرتا ہے
نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ۔ — عمل کے نتائج ہم پورے پورے
. . . . دیتے ہیں۔

اس سے بحث نہیں ہے کہ کوشش و عمل کرنے والی قوم صرف طالب دنیا ہے یا طالب دنیا و آخرت۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں نظام کائنات کا ذکر ہے اور تیفکرون ۔ تعقلون وغیرہ الفاظ کے ذریعہ غور و فکر اور تحقیقات کی دعوت دی گئی ہے اسی طرح بہت سی آیتوں میں تسخیر کائنات کی خبر دی گئی ہے جس کا مقصد انسان کو اس کی صلاحیتوں کی طرف توجہ دلا کر تسخیر کے کام پر لگانا ہے۔

اس قسم کی تمام آیتوں میں یہ ضروری نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان میں اللہ کا ذکر ضرور آگیا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق و جستجو کی ہر دوڑ اور غور و فکر کے ہر میدان میں اللہ کی مرکزیت اور اس کی ماتحتی مسلم ہونی چاہیئے ورنہ عملی دنیا میں بھیانک نتائج سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ رہے گی۔

عالمی تصرفات سے متعلق رسول اللہؐ کے چند انتظامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے مطابق عالمی تصرفات کے سلسلہ میں حسب ذیل انتظامات کئے تھے۔

(۱) تعلیم پر کافی زور دیا اور اسے عام کرنے کے لئے مختلف انتظامات کئے۔
(۲) صحابیوں کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ فارسی۔ حبشی۔ عبرانی یونانی وغیرہ۔
(۳) مختلف علوم وفنون سیکھنے کی تاکید فرمائی۔ ریاضی۔ طب۔ ہیئت۔ انساب۔ تجوید وغیرہ۔ اسی طرح نشانہ بازی۔ تیراکی۔ شہسواری۔ تلوار چلانا وغیرہ۔
(۴) فنون حرب کی ترقی پر خصوصیت سے توجہ فرمائی اور جہاں سے بھی اچھی چیز ملی اسے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ فوجوں کی مشقیں۔ گھوڑوں۔ اونٹوں اور گدھوں کی دوڑ۔ تیر اندازی کا مقابلہ۔ فوجی اسپورٹ۔ اصطبل اسلحہ خانہ وغیرہ۔
(۵) نوجوانوں کی تربیت اور ان کی حوصلہ افزائی کو بہت اہمیت دی۔ ان کی ذاتی صلاحیتوں کی مناسبت سے یک فنی مہارت کا موقع بہم پہنچایا اس طرح اسلامی نوجوانوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں حصہ لیا اور حتی الامکان اس کا انتظام کیا گیا۔
(۶) معاشی تنظیم کی طرف سب سے پہلے توجہ کی مکہ میں نومسلموں کے درمیان بھائی چارہ کا انتظام قائم کیا اور مدینہ میں مہاجرین وانصار کے درمیان
(۷) عورتوں کی تعلیم وتربیت کا علیحدہ انتظام کیا اور ان کے مناسب مختلف مشغلوں کی طرف توجہ دلائی حالانکہ رسول اللہؐ سے پہلے دنیا کی ترقی صرف مردوں کی مرہون منت سمجھی جاتی تھی لیکن آپ نے اس اہم کام میں

Marfat.com

حسب حیثیت دونوں کو شریک ٹھہرایا۔[۵]

ان کے علاوہ قیام و بقا کے لئے جو بھی انتظامات ضروری تھے ان سب کا انتظام فرمایا اس سلسلہ میں اگر کچھ چیزیں دنیا کی دوسری قوموں سے لینی پڑیں تو دینی و قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے جہاں سے بھی جو مفید چیز ملی اس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوا اور یہ ساری چیزیں بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو بنیں۔

اس سلسلہ میں مفسرین و محققین کی رائیں۔

ذیل میں عالمی تصرفات سے متعلق مفسرین و محققین کی رائیں نقل کی جاتی ہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ اس سلسلہ کی آیتیں نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

یحتج بجمیع ذلک فی ان الاشیاء علی الاباحۃ مما لا یحظرہ العقل فلا یحرم شیٔ الا ما قام دلیلہ[۶]	ان تمام آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔
. . . . .	

امام غزالیؒ کہتے ہیں

ظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم	جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عقلی علوم شرعی علوم کے مخالف ہیں

---

۵ ملاحظہ ہو جمع الجوامع للسیوطی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ سیر الصحابیات اور مقالات شبلی ج ۱۔ ۶ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۔

Marfat.com

الشاعیة وان الجمع بینهما اور دونوں کا جمع کرنا ناممکن ہے
غیر ممکن هو ظن صادر اُن کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں۔
عن عمی فی عین البصیرة[1]

قاضی بیضاویؒ نے خلافت آدم کی بحث میں کہا ہے کہ
"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آبادکاری لوگوں کی سیاست ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے زندگی کے ہر معاملہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات دونوں کے آمیزہ پر نہایت قیمتی بحث کی ہے جس سے ایمان میں تازگی اور دل میں سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے[3]

علامہ ابن تیمیہؒ کا قول کہ دین کی تکمیل قوت حرب جہاد اور مال کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے

امام ابن تیمیہؒ نے ایک دوسرے انداز میں اس بحث کو اٹھایا ہے وہ کہتے ہیں۔
"اس وقت ہمارے سامنے دو فاسد راستے ہیں ایک ان لوگوں کا جو دین کی طرف منسوب ہیں لیکن قوت حرب جہاد اور مال سے جن کا دین خداوندی محتاج ہے دین کی تکمیل نہیں کرتے ہیں اور دوسرا راستہ ان والیان حکومت کا ہے جو مال حربی قوت اور جہاد سے کام لیتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد اقامت دین نہیں ہے یہ دونوں ان لوگوں کے راستے ہیں جن پر غضب نازل ہوا یا گمراہ ہیں۔"

---

[1] [2] بیضاوی ص ۵۹ ۔ [3] حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاقات ۔

Marfat.com

آگے چل کر کہتے ہیں ۔

"پس دین کا قوام کتاب ہادی اور حدید ناصری (تلوار)" عمومی حیثیت سے سیرت کی تشکیل اور عالمی تصرفات" کے بغیر ممکن نہیں اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے دونوں کو باہم مجتمع کرنے کی جدوجہد کرے"[۵۱]

اس بارے میں ڈاکٹر "جوزیف ہیل" کی تحقیق یہ ہے ۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانے اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو ہمہ گیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے"[۵۲]

"روسو" کی فاش غلطی کا ثبوت مذکورہ تصریحات کی روشنی میں "روسو" کا یہ قول قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت مٹا دی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دیے جنھوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا"[۵۳]

دراصل دین الٰہی میں دنیا اور دین مذہب اور سیاست کی تفریق کبھی نہیں ہوئی ہے یہاں کا قانون ہی نرالا ہے یہاں ہر وہ شے دنیا ہے جو حق سے

---

[۵۱] سیاست الٰہیہ ص ۲۲۱۔ [۵۲] تمدن عرب ص ۲۳ ۔ [۵۳] معاہدہ عمرانی ص ۲۳۸۔

Marfat.com

روک دے اور ہر وہ شئے دین ہے جو حق پر لگا دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الدنیا ما یشغلک عن الحق[1] دنیا وہ ہے جو تجھے حق سے روک دے

یہ تفریق مذہب کے ماننے والے اپنی اپنی اغراض کی بنا پر بعد میں پیدا کرتے ہیں اس لئے اس قسم کے الزام ماننے والوں پر تو درست ہوتے ہیں بانیان مذہب کے دامن اس سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

(۳) تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ

تیسرا بنیادی اصول "تواصی بالحق" ہے اس کی تحقیق و تفصیل مندرجہ ذیل ہے

تواصی کی لغوی صرفی اور اصطلاحی تحقیق تواصی "وصیت" سے بنا ہے وصیت کا مادّہ اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو انسان کہہ کر مرجاتا ہے لیکن قرآن حکیم میں یہ ہر تاکیدی و واجبی حکم کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔[2]

عربی گرامر کے مطابق "تواصی" باب تفاعل سے ہے جو مصدر اس باب سے آتا ہے اس میں شرکت کے معنی پائے جاتے ہیں اس طرح کہ ہر فرد سے فعل کا صدور ضروری ہوتا ہے۔

فعل میں شرکت باب مفاعلت میں بھی ہوتی ہے لیکن اول میں صورۃً و معناً ہر فرد فاعل کی حیثیت رکھتا ہے اور ثانی میں یہ شرکت صرف معناً ملحوظ ہوتی ہے صورۃً نہیں ہوتی ہے۔

---

[1] انفاس رحیمیہ۔ [2] تفسیر عزیزی۔

اس فرق کی غالباً وجہ یہ ہے کہ ہر فرد سے فعل کا صدور جس شدت اور یکسانیت کے ساتھ اول میں ہوتا ہے ثانی میں وہ شدت اور یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے ویسے دونوں میں ہر ایک سے فعل صادر ہوتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ دوسرا شریک ہوتا ہے۔

مادۂ وصیت لانے میں نکتہ اس موقع پر مادۂ وصیت لانے میں یہ نکتہ ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق قیام و بقاء کی جد وجہد اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی جب تک انسان اپنے مفاد و مرغوبات کو فنا کرکے ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اور اس کے ہاتھ پاؤں زبان و قلم عقل و دماغ وغیرہ دوسرے کے بقاء کا سامان فراہم کرنے کے لئے وقف نہ ہو جائیں۔

جس طرح وصیت کرنے والے کی وصیت کا تمامتر تعلق دوسروں سے وابستہ ہوتا ہے اور موصی (وصیت کرنے والا) کی ذات کا سوال نہیں باقی رہتا ہے اسی طرح یہاں انسان کی ساری جد وجہد دوسروں کے مفاد سے متعلق ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وصیت بالعموم عزیز قریب رشتہ دار وغیرہ کے لئے کی جاتی ہے جن سے انسان کا نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کی مصیبت اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے قرآن حکیم کی نظر میں ایسا ہی تعلق قومی و جماعتی زندگی میں ہونا چاہیئے کہ آپس میں ہر فرد دوسرے کی تکلیف سے بے چینی محسوس کرے اور اس کے لئے جو کچھ کہہ سکتا اور کر سکتا ہے مرتے دم تک کہتا اور کرتا رہے۔

Marfat.com

وصیت کے مادہ میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے

وصیت کے مفہوم میں ذمہ داری اور نگرانی کے معنی بھی ملحوظ ہیں چنانچہ کلام عرب میں یہ مادہ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اگر بطور کنایہ نہیں مستعمل ہے تو اس کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے اسی بنا پر "وصی" اس کو کہتے ہیں جسے ذمہ دار بنایا جاتا ہے اور جس کے سپرد معاملہ کیا جاتا ہے ھوالوصی اسم لیقع علی من تکل الیہ امرک[۱] محاورہ ہے "کن وصی نفسک" "تو اپنا وصی (ذمہ دار و نگران) بن جا" "کن من توصی الیہ نفسک" مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد دوسرے کے لئے یہ سمجھے کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا میرا فرض منصبی ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الا کلکم راع وکلکم	خوب غور سے سن لو ہر شخص تم میں
مسئول عن رعیتہ	کا راعی ہے اور ہر شخص سے اسکی
(الحدیث)	رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی

"راعی" کے معنی حفظ الغیر لمصلحتہ[۱] دوسرے کی حفاظت اس کی مصلحت کے مطابق کرنا۔ اس لحاظ سے راعی وہ ہوگا جو کسی کا منتظم اور نگراں ہو "الراعی کل من ولی امر قوم[۲]"

اسی ذمہ داری و نگرانی کی وجہ سے قوم کی تباہی و بربادی کے وقت کوئی فرد محفوظ نہیں رہتا بلکہ سب اس کی زد میں آجاتے ہیں ظالم و بدکار اپنے جرم کی بنا پر اور غیر ظالم و بدکار اس لئے کہ انھوں نے ظلم کرتے وقت ظالم

---

[۱] بیضاوی۔ [۲] المنجد۔

کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا جیسا کہ آیت میں ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ ـ اس فتنہ سے بچتے رہو جس کی گرفت
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ ـ میں صرف ظالم ہی نہ آئیں گے بلکہ
خَاصَّةً ۸/۲۵ ـ سبھی اس کی لپیٹ میں ہوں گے۔

تواصی جذبہ واسپرٹ کے ساتھ ہونی چاہیے

مذکورہ ذمہ داری کی ادائیگی محض ڈیوٹی کی حیثیت سے نہ ہونی چاہیئے بلکہ خاص قسم کے جذبہ اور اسپرٹ کا پایا جانا بھی ضروری ہے "تواصی" کے مفہوم میں اس کی رعایت اس طرح مقصود ہے کہ قومی وجماعتی زندگی میں خاص قسم کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اقدام ـ عزم شجاعت جانبازی وغیرہ زندگی کے عناصر سب ایمان ہی کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ایمان کے بعد کوئی شے بھی جذبہ سے خالی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ "تواصی" کو تنظیم کا بنیادی اصول قرار دینا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہاں تمام حکم واحکام میں اجتماعی طور پر آگے بڑھانے کا جذبہ ملحوظ ہے۔ چنانچہ فوج کی تنظیم و تربیت میں جس پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ اندرونی قوئی کی مضبوطی اور یہی "اسپرٹ" ہے

رسول اللہ کی بیان کردہ ایک مثال سے جذبہ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ جذبہ کی اس طرح تشریح بیان کی ہے

"فرض کرو ایک بحری جہاز ہے جس کے اوپر نیچے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب کی ضرورت کا سامان پانی وغیرہ جہاز کے بالائی حصہ پر رکھا ہوا ہے نچلے حصے کے لوگ پانی کے اوپر آتے رہتے ہیں۔ اگر اوپر

والے جذبۂ اشتراک ماتحت پانی دیدیتے ہیں تو سب کا کام اطمینان سے چلتا رہتا ہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آتا لیکن اگر یہ اس بنا پر پانی دینے سے انکار کرتے ہیں کہ ان کے آنے سے معمولی تکلیف ہوتی ہے تو وہ پانی کی فراہمی کے لئے دوسری تدبیریں کرنے پر مجبور ہوں گے چارو ناچار انھوں نے یہ سوچا کہ چھوٹا سوراخ کرکے سمندر سے پانی حاصل کیا جائے چنانچہ وہ سوراخ کرنے لگے۔

اب اگر اوپر والے نہ تو سوراخ سے روکیں اور نہ ہی پانی کا بندوبست کریں تو ظاہر ہے کہ جہاز میں سوراخ ہونے کے بعد اس میں پانی بھرے گا اور وہ ڈوب جائے گا پھر نہ سوراخ کرنے والے بچیں گے اور نہ اس سے چشم پوشی و غفلت کرنے والے"[۵]

یہ حدیث جماعتی زندگی کی نفسیات اور اس کے مطالبات سمجھنے کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جماعتی زندگی کو سمندری جہاز پر سواری کے ساتھ تشبیہ دینا اس کی ضروریات کو پانی جیسی اہم چیز کے ذریعہ بیان کرنا، تکلیف کے باوجود تعاون و اشتراک کے جذبہ کو نظر انداز نہ کرنا اور خلاف ورزی کی صورت میں جہاز میں سوراخ ہونا اگرچہ یہ سوراخ اہم ضرورت کی بناء پر کیا گیا ہو اور اس کے نتیجہ میں جہاز ڈوب جانا یہ ساری باتیں نہایت غور و فکر کی مستحق ہیں۔

ایک اور مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت

ایک اور مثال کے ذریعہ جذبہ کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے۔

دیہات میں جہاں "فائر بریگیڈ" کا انتظام نہیں ہوتا ہے جب وہاں کسی

کے گھر آگ لگی ہے تو بجھانے کے لئے سب اہل محلہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کوئی پانی لئے دوڑ رہا ہے کوئی کنویں سے پانی نکال رہا ہے کوئی سامان نکال کر باہر پھینک رہا ہے غرض مرد۔ عورت۔ بچے سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں اور جتنی کوشش وامداد کی سکت رکھتے ہیں اس سے دریغ نہیں کرتے ہیں ایسی حالت میں اپنے پرائے دوست دشمن کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے ذاتی رنجشیں اور دلی کدورتیں کافور ہو جاتی ہیں بس ان کے سامنے آگ بجھانے کا مقصد ہوتا ہے اور یہ خطرہ کہ اگر معمولی سی غفلت برتی گئی تو پل بھر میں آگ کے شعلے پورے محلہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے جس کی بناء پر وہ سب بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں سب مصروف رہتے ہیں اور تمام کو مصروف رکھتے ہیں۔

قیام وبقاء کی جدوجہد کے لئے بھی اسی قسم کا جذبہ درکار ہے یہ تو ہنگامی صورت حال کی مثال ہے لیکن بسا اوقات اجتماعی زندگی کے معمولی خطرات جن کی طرف توجہ کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے وہ بھی ہنگامی کا درجہ حاصل کرکے پوری قوم کی ہلاکت کا موجب بنتے ہیں اس لئے یہاں کے معمولی خطرہ میں بھی ہنگامی اثرات مضمر ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے جدوجہد کے متقاضی بنتے ہیں۔

قومی، وطنی اور مذہبی جذبات میں سب سے زیادہ موثر جذبہ مذہبی ہے

رہی یہ بات کہ وطنی۔ قومی۔ اور مذہبی جذبات میں یہاں کون مراد ہے؟ اور زیادہ موثر کون ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں مذہبی جذبہ مراد ہے البتہ زیادہ موثر بھی وہی ہے اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے انقلابات کی

Marfat.com

ریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور پس منظر کو بھی سمجھا ہے انھیں اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ سب سے زیادہ مؤثر جذبہ مذہبیت ہے اس لئے کہ وہ تین بنیادی عنصر (۱) عقائد میں عمومیت (۲) فوائد میں عمومیت (۳) احساس میں عمومیت[۱] جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں س جذبہ میں زیادہ عمدگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

مذہبی جذبہ ہی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کا باعث بنا ہے

چنانچہ فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت ہمیشہ مذہبی جذبہ ہی کارفرما رہا ہے۔ ماضی قریب میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

"لوتھر" کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر ثابت ہوا کہ اس کے بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کارفرما رہا ہے جیسا کہ

"ڈلتھائی" نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کے نشو و نما میں بھی مذہب ہی کارفرما تھا۔ اور مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصور ہی کا نتیجہ ہے۔

"نظریہ ارتقاء" کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے[۲]۔

اس نظریہ میں مذہبی تصور مان لینے سے یہ شبہہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان

---

[۱] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲۔ اور روح الاجتماع [۲] ملاحظہ ہو مقدمہ پیتا نوری کا فلسفۂ تمدن و تعلیم

Marfat.com

ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی اس میں مذہبی جذبہ موجود تھا؟
لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیات نے یہ دیا ہے کہ دراصل مذہبی جذبہ کا تعلق کسی
ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل
کا نہایت پیچیدہ اور عجیب وغریب نتیجہ ہے ان چند جبلتوں کے لئے یہ ضروری نہیں
ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں کیونکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں
ان کے خواص واثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص
واثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک وامتزاج سے
ایک تیسرا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف
ہوتا ہے اس بنا پر مذکورہ جبلتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن تدریجاً
کے نتیجہ میں تاثیر اور تاثر کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمو
ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔

مذہبی جذبہ انسان کی جبلت میں داخل ہے	اس کے علاوہ یورپ کے اکثر مصنفوں نے مذہبی جبلت کو انسان کی اساسی صفتوں میں داخل مانا ہے۔

"رینان" کے نزدیک مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی فطری ہے جیسے
چڑیوں میں گھونسلا بنانا ان کی فطرت میں ہے[1]۔

نٹشے۔ کانٹ۔ سپنا نوزی وغیرہ فلسفیوں نے نہایت وثوق کے ساتھ
کہا ہے کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے مذ

[1] معاشرتی نفسیات ص ۸۵۔

Marfat.com

نزلہ روح کے ہے۔[۱]

ان تمام تیقنات کے باوجود تعجب ہے کہ ڈاکٹر "مرسیر" جیسے فلسفۂ جذبات کے نمایندہ نے مذہبی جذبہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور کہا کہ

"جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی مادی حیثیت نہیں رکھتا ہے"[۲]

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ ہے تنک ہیں کہ وہ مجلس کی آرائش و مقصد برا ری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن مذہبی جذبہ کی اصل نوعیت کے بارے میں ان کا یہ خیال قطعاً غلط و بے بنیاد ہے اور حقائق کے جھٹلانے کے مرادف ہے۔

اجتماعیین کے نزدیک مذہب کی ایک وسیع توجیہ

یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ فلسفہ و اجتماع کے ماہرین اثراندازی میں صرف اسی مجموعۂ عقائد کو مذہبی حیثیت نہیں دیتے ہیں جو کسی معبود کی عبادت اور اس کی پرستش پر مبنی ہو بلکہ کبھی حیرت انگیز نظریہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لے وہ بھی معبود کی قائم مقامی حاصل کر کے مذہب کا پارٹ ادا کرتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام سطح سے کوئی اونچی چیز انھیں نظر آئے[۳]

مذہب کی اس وسیع توجیہ کی بنا پر "کمیونزم تحریک" بھی ایک مذہبی تحریک بن جاتی ہے اور اس کی کامیابی بھی مذہب کی مرہون منت قرار پاتی ہے۔

---

۱ نیتا نوری کا فلسفہ ص ۱۰۵ ۲ فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲ ۳ روح الاجتماع ص ۱۱۹۔

Marfat.com

بہرحال دنیا کا مزاج ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ کسی تحریک میں جب تک مذ
رنگ نہ بھرا جائے کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔

الحق کی لغوی تحقیق | وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں الحق کی لغوی تحقیق یہ ہے۔

لفظ "الحق" حق یحق کا مصدر ہے جس کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں
کلام عرب میں یہ جہاں کہیں بھی استعمال ہوتا ہے وہاں ثبوت۔ قیام۔ نہ ہلنا
نہ ٹلنا وغیرہ مفہوم کا پایا جانا یقینی ہے۔

اسی بنا پر جو کپڑا نہایت مضبوط اور پائدار بنا جاتا ہے اسے "ثوب محقق"[۱]
کہتے ہیں امام راغب اصفہانی کہتے ہیں۔

اصل الحق المطابقة والموافقة[۲] — الحق کی اصلیت مطابقت اور موافقت ہے۔

یعنی جب کہا جائے کہ یہ قول و فعل حق ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ
حقیقت و نفس الامر کے مطابق و موافق ہے۔

قاضی بیضاویؒ نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔

الحق الثابت الذی لا یسوغ انکاره[۳] — الحق وہ حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا انکار کرنا آسان نہ ہو۔

تفسیر مدارک اور تفسیر مظہری میں بھی یہی معنی مذکور ہیں[۴]۔

زیر بحث "الحق" کے مفہوم کی تشریح | زیر بحث مقام پر مفسرین کی تصریحات درج ذیل ہ

---

[۱] حاشیہ بیضاوی ص ۵۳ و روح المعانی ص ۱۹۱ [۲] مفردات القرآن [۳] بیضاوی
[۴] مدارک سورہ والعصر اور مظہری ص ۲۲۔

Marfat.com

وتواصوا بالحق ای بالامر	الحق وہ امر ثابت ہے کہ کسی صورت
الثابت الذی لا یسوغ	میں اس کا انکار سہل نہ ہو۔ اس میں
انکارہ وھو الخیر کلہ	ہر قسم کی خیر و فلاح داخل ہے
من توحید اللہ وطاعتہ	اللہ کی توحید اس کی اطاعت اس
واتباع کتبہ ورسلہ[1]	کے رسولوں اور کتابوں کی اتباع وغیرہ

قاضی بیضاوی نے عام مفہوم مراد لیا ہے۔

یعم الاعیان الثابتۃ	وہ حقائق جو مسلم ہوں وہ افعال
والافعال الصائبۃ والاقوال	جو درست ہوں وہ اقوال جو
الصادقۃ[2]	روح صداقت سے معمور ہوں
	سب اس میں داخل ہیں۔

روح المعانی میں ہے۔

الحق خلاف الباطل ویطلق	وہ حقیقت جو باطل کے خلاف ہو۔
علی الاقوال والعقائد	موقع کی مناسبت سے اقوال۔ عقائد
والادیان والمذاھب	ادیان اور مذاہب سب کے لئے
باعتبار شمولہ علی ذلک[3]	یہ استعمال ہوتا ہے۔

مذکورہ تصریحات سے دو باتیں معلوم ہوئیں

(۱) یہ کہ الحق کا مفہوم عام ہے۔

(۲) یہ کہ اس کی عمومیت میں تمام وہ حقیقتیں اور صداقتیں داخل ہیں جو

۱؎ تفسیر مدارک ۲؎ بیضاوی ص ۵۳۔ ۳؎ روح المعانی جلد اول ص ۱۹۱۔

Marfat.com

ایمان وعمل کے بیان میں پہلے مذکور ہو چکی ہیں خواہ ان کا تعلق اخلاقیات سے ہو یا مادیات سے ہو۔

حاصل یہ ہے کہ قیام و بقا کے لئے ایمانیات و عملیات کی جو نوعیتیں درکار ہیں اقدامی جذبہ کے ساتھ محبت بھری ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ہر شخص ان میں سرگرمی کا خود مظاہرہ کرے اور اسی طرح دوسروں سے مظاہرہ کراتا رہے۔

(۴) تَوَاصِیْ بِالصَّبْرِ

چوتھا بنیادی اصول "تواصی بالصبر" ہے۔ "تواصی" کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے جذبہ و اسپرٹ اور ذمہ داری و نگرانی وغیرہ کی بحث بھی وہیں دیکھ لی جائے۔ صبر کی تحقیق و تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

صبر کی تحقیق اور اس کا استعمال

صبر کی حقیقت "حبس النفس علیٰ ماتکرہ" یعنی خود کو ناگواریوں کی برداشت کا عادی بنانا یہ ناگواریاں اختیار کرنے سے متعلق ہوں یا چھوڑنے سے متعلق ہوں۔

قرآن حکیم میں صبر کے مواقع استعمال سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) یہ کہ صبر ایک زبردست قوت کا نام ہے جس سے اصلاح و انقلاب میں مدد لی جاتی ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۲/۴۲ — صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو۔

(۲) یہ کہ قومی و جماعتی زندگی کے مقام کا اندازہ اسی قوت سے لگایا جاتا ہے جس میں جس قدر یہ قوت زیادہ ہوگی اسی مناسبت سے اس کا مقام متعین ہوگا جیسا کہ

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۔ اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ۔ ۸/۶۶

اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (جھیل جانے والے) نکل آئیں تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہوگئے تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کرکے رہیں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ کافروں کے گروہ میں سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ اب اللہ نے تم پر بوجھ ہلکا کردیا اس نے جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے اچھا اب اگر تم میں سو آدمی صبر کرنے والے (جھیل جانے والے) ہوں گے تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے (اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کرکے رہیں گے اور یاد رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

Marfat.com

آیت میں بیس کی تعداد کے ساتھ صابرین کا لفظ ہے اور سو کی تعداد کے ساتھ صابرۃ کا لفظ ہے اس سے محققین نے یہ سمجھا ہے کہ اب بھی جہاں صبر کا اعلیٰ اعلیٰ درجہ موجود ہوگا پہلا حکم ثابت و برقرار رہے گا۔

قیام و بقا کے سلسلہ میں صبر کا مقام

ذیل میں چند آیتیں و حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے قیام و بقا کے سلسلہ میں صبر کا مقام واضح ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کی کامیابی کا راز صبر میں پوشیدہ بتایا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى	آپ کے پروردگار کا پسندیدہ فرمان
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا	بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوکر
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	رہا اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر
۱۳۷	کیا تھا۔

ایک جگہ پیشوائی و سرداری ملنے کا سبب صبر کو قرار دیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے بنی اسرائیل میں سے امام
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔	(سردار) بنائے تھے جو ہمارے حکم
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے
	تھے یہ منصب انھیں اس وقت ملا
۳۲ / ۲۵	جب کہ انھوں نے صبر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و بقار کی جدوجہد میں اصبر کو امیرالامرا (کمانڈر انچیف) قرار دیا ہے کہ اس کی سرکردگی میں میدان فتح ہوتا ہے۔

عَلَيْكَ بِالْعِلْمِ فَاِنَّ الْعِلْمَ — علم کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو کیونکہ

Marfat.com

خلیل المؤمن والحلم وزیرہ	علم مومن کا دوست ہے۔ علم
والعقل دلیلہ والرفق	(بردباری) اس کا وزیر ہے عقل
اخوہ والصبر امیر جنودہ[۱]	اس کی رہبر ہے نرم خوئی اس کا بھائی
. . . . . .	ہے اور صبر اس کے لشکر کا امیر الامراء ہے

حضرت علیؓ نے ایک موقع پر صبر کے نفسیاتی پہلو کو اس طرح بیان کیا ہے۔

الصبر من الایمان بمنزلۃ	جس طرح انسان کے بدن سے سر
الرأس من الجسد اذا	کا تعلق ہے اسی طرح جسم ایمانی سے
قطع الرأس انتن ما	صبر کا تعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ
فی الجسد ولا ایمان	سر کے جدا ہونے کے بعد جسم بے کار
لمن لا صبر لہ[۲]	و بدبو دار ہو جاتا ہے۔ جس کو صبر
. . . . . .	نہیں اسے ایمان کا مقام نہیں حاصل ہے

حضرت امیرؓ نے تشبیہ میں "انتن" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے صبر نہ ہونے کی صورت میں "جراثیم" کے غلبہ پانے اور پھر سماجی زندگی کے متعفن ہو جانے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

صبر کے مظاہرہ کی شکلیں قومی و جماعتی زندگی میں صبر کے مظاہرہ کی تین شکلیں ہیں۔

(۱) مطالبات و فرائض کی ادائیگی پر صبر

(۲) مرغوبات و مفادات کے ترک پر صبر

(۳) مشکلات و مصائب پر صبر۔

---

[۱] نوادر الاصول از تفسیر عزیزی۔ [۲] مصنف ابن ابی شیبہ و بیہقی۔

صورت یہ ہے کہ جب کوئی قوم قیام وبقا کی جد و جہد شروع کرتی ہے تو نئے تقاضے اور نئے مطالبے سامنے آتے ہیں۔ پرانی چیزیں چھوڑنی اور نئی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میدان میں مخالفین بھی موجود ہوتے ہیں جن سے ہر موڑ پر ٹکراؤ اور ہر موقف پر مخالفت ہوتی ہے نئی نئی تکلیفوں اور مصیبتوں سے مقابلہ ہوتا ہے غرض اس طرح زندگی کا لمحہ لمحہ صبر و تحمل اور مستقل مزاجی کا طالب ہوتا ہے۔ جو قوم جس قدر اس طلب کو پورا کرتی ہے اسی قدر وہ کشمکش میں کامیابی حاصل کرتی ہے۔

مفسرین نے صبر کے مظاہرہ کی وہی شکلیں بتائی ہیں جو مذکور ہوئیں مثلاً۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

بالصبر عن المعاصی وعلی	معاصی سے صبر کرنا۔ طاعات پر
الطاعات وعلی ما یبلوا	صبر کرنا اور ان تمام آزمائشوں
به الله عباده[1]۔	اور مصیبتوں پر صبر کرنا جن میں
- - - - - - -	اللہ نے اپنے بندوں کو مبتلا کیا ہے۔

ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں۔

ینصرف الامر بالصبر	صبر کا حکم تمام ان فرائض کی ادائیگی
علی اداء الفرض التی فرضها	کو شامل ہے جنھیں اللہ نے کرنے
الله واجتناب معاصیه[2]	کا حکم دیا ہے اسی طرح تمام ان

(معاصی سے بچنے کو شامل ہے جن سے اللہ نے منع کیا ہے)

---

[1] مدارک تفسیر سورہ والعصر۔ [2] احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۔

Marfat.com

شاہ عبد العزیز صاحبؒ کہتے ہیں۔

"اما صبر پس سہ قسم است اوّل صبر بر مشقت طاعت دوم صبر از لذات گناہ کہ بے اختیار مرغوب طبع پیدا شود سوم صبر بر مصیبت کہ در جزع و فزع و شکایت و حرکات مخالف رضامندی خود را باز دارد"[1]

"تواصی بالصبر" میں عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین مراد ہے

یہ واضح رہے کہ "تواصی بالصبر" میں دو باتیں مقصود ہیں (۱) خود صبر کرنا اور (۲) آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

تلقین صبر سے صرف زبانی مراد نہیں ہے بلکہ عملی ہمدردی و امداد کے ساتھ زبانی تلقین ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ	پھر وہ گھاٹی سے نہ گذرا اے پیغمبر آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی عبور کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہ ہے کہ کسی کی گردن کا پھندا چھڑانا ہو کے قرابت دار یتیم اور خاک آلود مسکین کو کھانا کھلانا پھر وہ ان لوگوں سے ہو جو ایمان لائے ہوں اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی ہوں۔

بلد
۱۸تا۱۱

---

[1] تفسیر عزیزی ص ۱۴۹ ۔

Marfat.com

آیات میں پہلے باہمی امداد و غم خواری کی شکلوں کو "گھاٹی" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس کے بعد ایمان اور صبر و رحم کی تلقین کا تذکرہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی ہمدردی وایمان کے بغیر زبانی صبر و رحم کی تلقین وہ اثر نہیں پیدا کرتی جو جماعتی اسپرٹ کے لئے ضروری ہے اور قرآن حکیم کا مطلوب و مقصود ہو۔

یہاں تنظیم و تربیت کے چار بنیادی اصولوں کی بحث ختم ہو گئی۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر قرآن میں یہی ایک سورت (والعصر) ہوتی تو بندوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی" اور سلفؒ کا یہ حال تھا کہ جب وہ آپس میں ملتے تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

Marfat.com

زوال کے بنیادی اسباب

اور تنظیم و تربیت کے جو بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں جن اسباب کی وجہ سے ان میں کمی پائی جائے گی وہی زوال کے اسباب قرار پائیں گے۔

چند بنیادی اسباب یہ ہیں۔

(۱) شرک و نفاق (۲) بے عملی و بدعملی (۳) باطل پرستی و خود فریبی (۴) بے ثباتی و خود غرضی ان کے مفہوم میں عمومیت اس طرح پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۱) جن اصول و نظریات پر کسی تحریک کی بنیاد ہو یا کسی قوم کی تنظیم ہوئی ہو۔ انہیں تسلیم کرنے کے باوجود شرک یا نفاق کی وجہ سے دل میں یقین و اذعان کی وہ کیفیت نہ پیدا ہو جو ایمان کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔

(۲) اصول و نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے جن جن صلاحیتوں اور تدبیروں کی ضرورت پڑے اور جس جس قسم کی اطاعت و قربانی کا مطالبہ کیا جائے قوم کے افراد اس کے لئے تیار نہ ہوں یا اس کے خلاف عمل کر رہے ہوں۔

(۳) حق پرستی کے بجائے باطل پرستی کی جانب مائل ہوں اور تبلیغ حق کی جگہ خود فریبی میں مبتلا ہوں۔

(۴) قوم کے افراد میں استقلال اور ضبط نفس کا فقدان ہو اور بے ثباتی و خود غرضی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہو۔

Marfat.com

قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

شرک و نفاق

شرک و نفاق کی حقیقت شرک کا مطلب اللہ کی ذات۔ صفات اور افعال میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اس کا اصل تعلق عقیدہ سے ہے نفسیاتی لحاظ سے جب عقیدہ میں تزلزل پیدا ہو جائے یا وہ کمزور پڑ جائے تو پھر زندگی کی کوئی کل نہیں درست رہ سکتی ہے۔

اجتماعیین کے نزدیک عقائد کی حیثیت ستون کی ہے اور قومی و جماعتی زندگی کو اصل خطرہ اصول و عقائد کے عدم اذعان ہی سے پیدا ہوتا ہے[1]۔ اس لحاظ سے شرک کا اثر زندگی کے تمام گوشوں میں نمایاں ہوتا ہے اور اس کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے)

نفاق کی عموماً دو ہی شکلیں پائی جاتی ہیں (۱) کسی نظام زندگی کے برسرِ کار آنے کے بعد مخالفین کا گروہ مفاد کے حصول کی خاطر یا مضرت کے دفعیہ کی غرض سے اس کی تعلیمات کو ایک حد تک اپنا لیتا ہے لیکن دل سے نہیں مانتا ہے (۲) دل سے ماننے والوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن میں یقین و عمل کی وہ روح نہیں پیدا ہوتی جو کسی تعلیم کو حقیقی معنوں میں قبول کر لینے کے بعد ہونی چاہیئے اور اخلاص و صداقت کے وہ جوہر نہیں نمایاں ہوتے جو کمال ایمانی کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] انقلاب الامم ص ۱۴۸۔

یہ حالت درج ذیل سبب سے ہوتی ہے
(۱) قدیم رسم ورواج کا غلبہ (۲) خواہشات نفسانی کی اتباع و پیروی (۳) ذاتی اغراض و مفاد (۴) لذآت دنیوی کے ساتھ چسپیدگی (۵) تقلیدی جمود وغیرہ[1]۔

رسول اللہؐ کے فرمان میں یہی نفاق مراد ہے۔

اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق ولو صلی وصام وزعم انہ مسلم[2]	چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ چاروں جمع ہوجائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک پائی جائے تو سمجھا جائے گا کہ نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو .... اور اس گمان میں ہو کہ وہ پکا مسلمان .... ہے۔

وہ یہ ہیں۔

(۱) اذا حدث کذب۔	جب بات کرے تو جھوٹ بولے
(۲) واذا وعد اخلف	جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔
(۳) واذا ائتمن خان۔	جب امانت رکھی جائے تو اس میں

---

[1] الفوز الکبیر ص ۱۰۔ [2] مسلم وغیرہ۔

Marfat.com

. . . . خیانت کرے۔

(۴) واذا خاصم فجر — جب لڑائی جھگڑا ہو تو بدزبانی کرے

نفاق کے بارے میں حضرت حذیفہؓ کے قول کی تشریح

حضرت حذیفہؓ کے ایک قول سے بعض حضرات کو دھوکا ہوا کہ نفاق صرف رسول اللہؐ کے زمانہ میں پایا جاتا تھا آپ کے بعد وہ ختم ہوگیا۔ حالانکہ قرآن حکیم نے نفاق کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ نفاق کسی دور اور زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ایسی حقیقت ہے کہ ہمیشہ پایا گیا ہے اور پایا جاتا رہے گا۔

وہ قول یہ ہے۔

انما النفاق کان علیٰ عھد	نفاق صرف رسول اللہؐ کے زمانہ
رسول اللہ فاما الیوم	میں تھا لیکن آج کفر ہے یا ایمان۔
فانما ھو الکفر او الایمان[1]	. . . .

محدثین نے یہ توضیح بیان کی ہے۔

انما النفاق ای حکمہ بعدم	اس قول میں نفاق سے اس کا حکم
التعرض لاہلہ والستر علیھم	مراد ہے رسول اللہ کے زمانہ میں چند
کان علیٰ عھد رسول اللہ	مصلحتوں کی وجہ سے یہ حکم تھا کہ
لمصالح کانت مقتضیۃ	منافقین سے تعرض نہ کیا جائے ان کے
علیٰ ذلک الزمان اما الیوم	معاملہ میں پردہ پوشی سے کام لیا
فلم تبق تلک المصالح[2]	جائے لیکن آج (عہد حذیفہ) ان

---

[1] بخاری۔ [2] حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۷۔

. . . . مصلحتوں کے ختم ہو جانے کی وجہ سے
. . . . وہ حکم نہیں باقی رہا۔

صورت یہ ہے کہ انقلاب کے بعد قوم جب نئی نئی تعمیری میدان میں قدم رکھتی ہے تو اس کے لئے یہ بات نہایت اہم قرار دی جاتی ہے کہ وہ داخلی انتشار اور افراتفری میں نہ مبتلا ہو ورنہ صلاحیتیں آپس میں ایک دوسرے کی دست گریبانی میں مصروف ہو جائیں گی اور تعمیری کام رک جائیں گے نیز باہر کے لوگوں کو بدنام کرنے اور ہنسنے کا موقع ملے گا۔

ظاہر ہے کہ ابتدا میں اگر منافقین کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی تو ان کے گھلے ملے رہنے کی وجہ سے داخلی انتشار اور افراتفری سے بچاؤ ناممکن تھا اور دوسری طرف باہر کی دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ یہ کسے خبر تھی کہ مسلم اور منافق میں فرق ہے ولیکن قوم جب مضبوط ہو جائے اور اس کی تعمیری صلاحیتیں ابھر آئیں تو پھر شر پسندوں کا صفایا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ نے آخر کے ٹکڑے میں فرمایا۔

ذیل میں قرآن حکیم کی روشنی میں شرک و نفاق کی چند اثرات اجتماعی زندگی میں بیان کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ زوال کے بارے میں یہ دونوں کس قدر دوررس نتائج کے حامل ہیں؟

شرک نفاق سے عزم ویقین کی روح فنا ہو جاتی ہے

(۱) اصول و نظریات پر عزم ویقین کی وہ روح نہیں باقی رہتی جو انسان کو سراپا عمل بناتی ہے، اور رعب و

ہیبت قائم رکھتی ہے [۳/۱۴۵]

اس کی شہادت فلسفۂ تاریخ سے بھی ملتی ہے جیسا کہ "قدیم رومن قوم کی حقیقی عظمت دو چیزوں میں بیان کی جاتی ہے ایک تو یہ کہ ان کی ضروریات زندگی محدود تھیں اور دوسری یہ کہ ان کا اعتقاد نہایت قوی تھا حتیٰ کہ ان میں کا ہر شخص جان و مال اہل و عیال غرض سب کچھ اعتقاد پر قربان کر دیتا تھا۔[۱]

نظم و مرکزیت اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے	(۴) زندگی میں نظم اور مرکزیت نہیں باقی رہتی اور اطاعت و اتحاد کا جذبہ فوت ہو جاتا ہے۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ	جب وہ اللہ اور اس کے رسول
وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ	کی طرف بلائے جاتے ہیں تو ایک
إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ	گروہ ان میں کا اعراض و
[۲۴/۴۹]	روگردانی کرتا ہے۔

تاریخ کا یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے کہ یونان کے حکماء نے جب اپنے سرکش حکمرانوں کا اعتقاد کم کرنا چاہا تو انھوں نے شرک کو زیادہ سے زیادہ رواج دیا اور یہ تخیل پیش کیا کہ جس طرح نظام کائنات ایک خدا کے ہاتھ میں نہیں ہے اسی طرح حکومت و بادشاہت بھی ایک کے ہاتھ میں نہ ہونی چاہیئے چنانچہ اس ترکیب کے ذریعہ یونانی بڑی آسانی سے بادشاہ کو مقام وحدانیت سے نیچے اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔[۲]

یہاں طریق استدلال کی حقیقت سے بحث نہیں غور کرنے کی بات صرف

---

[۱] انقلاب الامم ص ۱۴۷۔ [۲] انقلاب فرانس۔

یہ ہے کہ شرک کے رواج پانے سے مرکزیت و اطاعت وغیرہ جذبات کس آسانی سے ختم ہوئے؟

دل کا استحکام ختم ہوجاتا ہے اور زبان و دل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے

(۳) دل کا استحکام اور اللہ پر کامل اعتماد نہیں رہ جاتا جس سے ہمت پست رہتی ہے ضبط نفس اور پامردی کی روح فنا ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ زندگی کے عناصر اقدام۔ عزم۔ شجاعت۔ ارادہ وغیرہ سب میں زوال آجاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم نے ایمان والی زندگی کو "اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ" سے تعبیر کیا ہے اور حقیقی ایمان سے محروم زندگی کو "مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ" سے ۱۴/۲۴ ہے

نیز ایسی حالت میں طبیعت طرح طرح کے اوہام و خیالات کا مجموعہ بن جاتی ہے

يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ — یہ لوگ اللہ کی جناب میں عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتے ہیں۔ ۳/۱۴۹

(۴) ظاہر و باطن میں یکسانیت نہیں رہتی ہے۔ جب تک ذاتی اغراض و مفاد کا سوال نہ ہو ان کے اقوال و افعال ہر طرح سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں لیکن جب ایثار و قربانی کا وقت آتا ہے یا کسی ادنیٰ مفاد پر بھی ضرب پڑتی ہے تو بے نقاب ہوکر سامنے آجاتے ہیں ان میں سہار و برداشت کی طاقت بالکل نہیں ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس صورت حال کی تعبیر درج ذیل آیت میں نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ — جب تم انھیں دیکھو تو ان کی ظاہری

Marfat.com

اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ	حالت نہایت اچھی معلوم ہو اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنتے رہو گویا کندے ہیں جو دیوار سے لگ کر کھڑے ہیں (سہارے کی طاقت بالکل نہیں ہے) ہر چیخ پکار کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں ایسے لوگ دشمن ہیں ان سے بچو۔

. . . .

۱۳
۲

آیت کا ہر ٹکڑا مستقل ایک حالت اور اس کے اثرات کا ترجمان ہے واقعات و مشاہدات کو سامنے رکھ کر جس قدر آپ غور کریں گے حقیقت کھلتی جائے گی۔

مقصد سامنے واضح شکل میں نہیں رہتا ہے	(۵) مقصد واضح شکل میں سامنے نہیں رہتا ہے جس کی بنا پر جدوجہد کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور

تن پروری و عیش پرستی کی ذہنیت نمودار ہو جاتی ہے [۹ / ۱۵]

آج دنیا کے سامنے ذاتی اغراض و مفاد مقصد کی حیثیت رکھتے ہیں اس میں شک نہیں کہ دنیا کی قومیں اس کے لئے پوری جدوجہد کرتی ہیں جب وہ قانون قدرت کے مطابق کامیابی حاصل کرتی ہیں۔

لیکن رسول اللہؐ نے اللہ کی رضا و خوشنودی کو مقصد کو ٹھہرایا تھا چنانچہ صحابۂ کرامؓ کی ساری جدوجہد اللہ کے نام پر اسی مقصد کے حصول کے لئے ہوتی تھی۔ جس طرح ان کا مقصد بلند تھا۔ ایثار و قربانی کا جذبہ بھی ان میں زیادہ تھا اسی بنا پر غیر معمولی کامیابی ان کا قدم چومنے پر مجبور تھی۔

Marfat.com

یورپ کا فاتح اعظم نپولین مسلمانوں کی کامیابی پر ہمیشہ حیران رہا اور کہا کرتا تھا کہ "محمدؐ نے عربوں کو از سر نو پیدا کیا تھا ان کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ دنیا فتح کرو حکومت کرو اور فائدہ اٹھاؤ۔

افسوس کہ مسلمانوں کے پاس اب نہ قرآن باقی رہا اور نہ تلوار رہ گئی قرآن کی جگہ چند گھڑے ہوئے عقیدوں اور وہم و خیال کی باتوں نے لے لیں۔

أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم ۵۳/۲۳ اور أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۲/۷۸۔ اور تلوار کی جگہ بے روح دعاؤں نے قبضہ کر لیا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر قیام و بقا کی جد و جہد کے لئے صرف دعائیں کافی ہوتیں اور چند رسم و رواج کی پابندی اور نام کی مسلمانی سے کام چل جاتا تو صحابہ کرام اور اسلاف امت کو تن من دھن قربان کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور نہ ہی قرآن حکیم میں جد و جہد سے متعلق درج ذیل قسم کی آیتیں مذکور ہوتیں۔

(۱) وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۵۳/۳۹	انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے جد و جہد کی ہے۔
(۲) وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ۹/۱۰۵	اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے تم عمل کئے جاؤ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔
(۳) وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ	انسان کی جد و جہد یقیناً دیکھی جائے گی اور اس کو پورا پورا

Marfat.com

الادنیٰ ۵۳/۱۴ — بدلہ دیا جائے گا۔

محنت و مشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن پروری اور حیلہ سازی وغیرہ جیسے جراثیم زندگی میں نمودار ہو جاتے ہیں ۹/۱۴ | (۶) محنت اور مشقت کے کام نہیں ہو پاتے ہیں اور باتیں بنا کر مطلب برآری کی جاتی ہے

مذہبی طبقہ ان "جراثیم" کا خصوصیت سے شکار ہوتا ہے کیونکہ اس کا مذہب ایسی حالت میں افادیت و صلاحیت کے جوہر کھو دیتا ہے اور دنیا طلبی و ہوس رانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ قدیم یورپ میں بہت سے لوگ محض اس بنا پر راہبوں میں شامل ہوتے تھے کہ محنت مزدوری کے بغیر وہاں مفت کی روٹی ملتی تھی اور گرجا کے خادم بہت سے ایسے تھے جو مخصوص ملکی ذمہ داریوں اور کام سے بچنے کی غرض سے انھوں نے یہ طریق زندگی اختیار کر لیا تھا۔[۱]

(۷) ذاتی اغراض و مفاد کی بندگی ہوتی ہے اپنے معمولی مفاد کے لئے قوم کے پہاڑ جیسے نقصان کی پروا نہیں | ذاتی مفاد و اغراض کی غلامی ہوتی ہے

ہوتی ہے۔ جب کوئی قومی و جماعتی فلاح و بہبود کے کام کرنے کا وقت آتا ہے تو طرح طرح کے شبہات اور طرح طرح کے اندیشے ظاہر کئے جاتے ہیں جن [سے]

عـ۵ جب قوم کے دل میں خود غرضی اپنا قدم جما لیتی ہے تو رفتہ رفتہ اس کے تمام محامل ختم ہو جاتے ہیں۔ "روسو" نے مذکورہ حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"اپنی ذات سے محبت اور اپنی فکر بری چیز نہیں ہے مگر جب دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ کرنے کا جذبہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو پھر سماج کی تباہی ناگزیر ہے (معاہدہ عمرانی ص۲۷)

---

[۱] تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۱۔

Marfat.com

عوام سہم جاتے ہیں اور کام میں رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

نہ قومی مصیبت کسی کے لئے مصیبت رہ جاتی ہے اور نہ قومی خوشی کسی کے لئے خوشی بس ہر ایک اپنا ہی مفاد سوچتا ہے اور اپنی ہی خوشی کو خوشی جانتا ہے۔ ۹

---

۴۶ تا ۵۰

(۸) قومی و جماعتی شعار کی ادائیگی ایسی بے دلی اور بدذوقی کے ساتھ کی جاتی ہے کہ گویا کوئی بوجھ سر پر آپڑا ہے کہ جلدی ٹپک کر اس سے چھٹکارا ملے اس میں نہ جذب وانجذاب کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ ہی دلجمعی واطمینان کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ۴/۱۴۲

کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات کی رفتار دیکھتے ہیں اور بعض لوگ مخالفین سے دوستی رکھتے ہیں	(۹) کچھ لوگ الگ تھلگ رہ کر حالات و واقعات کی رفتار کا جائزہ لیتے ہیں جس جماعت کا جب پلہ بھاری دیکھا بس اسی کے ساتھ شریک ہو گئے

اور باتیں بنا کر گذشتہ سے عذر و معذرت کر دی ۴/۱۴۲

اور بعض لوگ مخالفین سے ساز باز رکھتے ہیں ادھر کی باتیں ادھر لگاتے ہیں جب کوئی بات کھل جاتی ہے تو قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۴/۱۴۲ ۔ ۹/۵۶

اسی میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ مغلوب قوم کے افراد غالب قوم سے مل جاتے ہیں پھر انھیں عہدہ دے کر یا انعام و اکرام کی بارش کر کے ان کے ذریعہ پوری قوم کے دبانے کا کام لیا جاتا ہے۔ فرعون بدنام ہے کہ اس کے ملأ (پارلیمنٹ کے ممبروں) نے موسیٰ کے تحفظ حقوق کی آواز کو فتنہ و فساد سے تعبیر

کیا تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ — فرعون کی قوم کے سربر آوردہ لوگوں
أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ — نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی
لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ... — قوم کو ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے
.... ۷/۱۲۷ — کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں۔

لیکن آج دنیا کی حکومتوں میں یہ طریق کار بہت عام ہے اس میں پیش پیش وہ افراد دکھائی دیتے ہیں جو اقلیتوں کے نمائندہ ہوتے ہیں کیونکہ انھیں دوسروں کے مقابلہ میں اظہار وفاداری کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔

مذہب کی نمائش دنیا کے لئے ہوتی ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے دنیا حاصل کی جاتی ہے

(۱۰) اخلاص و صداقت کی روح نکل جاتی ہے پھر جائز و ناجائز درست و نادرست جس طرح بھی مال ملے اس کے حصول کی کوشش ہوتی ہے ۹/۵۸

(۱۱) ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کی وجہ سے قوت ارادی مفقود ہو جاتی ہے۔ عزم و ہمت کے کام کے وقت ایسی روش اختیار کی جاتی ہے جس سے انتہائی بزدلی اور کمینہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔ ۹/۵۸

(۱۲) اتباع دین کی روح مفقود ہو جاتی ہے دینداری کی نمائش محض اس لئے ہوتی ہے کہ اسے دنیا کے حصول کے لئے آلۂ کار بنایا جائے۔ اس نمائش میں فروعی اور معمولی باتوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور بنیادی و اصولی احکام کی طرف کوئی توجہ نہیں رہتی ہے۔ ۲/۸

(۱۳) فرقہ بندی و گروہ بندی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ حق پرستی کی جگہ

Marfat.com

گروہ پرستی آجاتی ہے اچھائی وبرائی کے جانچنے کے لئے اعتقاد وعمل کو معیار نہیں ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ یہ کہ وہ ہمارے گروہ میں داخل ہے یا نہیں اگر وہ داخل ہے خواہ اس کے اعمال کتنے ہی برے ہوں اور اگر نہیں داخل ہے تو وہ برا ہے خواہ اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ ۲/۱۱۵

(۱۴) تعمیری کاموں کی طرف توجہ نہیں رہتی ہے بس ہر گروہ دوسرے گروہ کی تحقیر وتذلیل کو دین وایمان کی سب سے بڑی خدمت سمجھنے لگتا ہے۔ ۲/۱۰۸

(۱۵) کذب گوئی و وعدہ خلافی سے کام نکالنے کو ہنر سمجھا جاتا ہے ان کی برائی کی اہمیت دل سے نکل جاتی ہے۔ ۹/۷۷

(۱۶) قومی وجماعتی خدمت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اگر کچھ لوگ خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اس فریضہ کو انجام بھی دیتے ہیں تو انھیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے مثلاً مالدار لوگ خرچ کرتے ہیں تو اسے ریاونمود اور شہرت کا نام دیا جاتا ہے اور غریب لوگ خرچ کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑتا ہے۔ ۹/۷۹

قوت استنباط اور جدت طبع وغیرہ ختم ہو کر تقلیدی جمود پیدا ہو جاتا ہے

(۱۷) مذہب کے نام پر ایسی ایسی باتیں نکلتی ہیں جو باہمی تفرقہ اور انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ ۹/۱۰۷

(۱۸) غلط قسم کا تقلیدی جمود پیدا ہو جاتا ہے اور خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسے حق پر ثابت قدمی کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ تقلیدی جمود اور ثابت قدمی میں بڑا فرق ہے اول الذکر احساس وشعور کے موت کی سب سے بڑی علامت ہے اور آخر الذکر زندگی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ ۲/۸۳

Marfat.com

(۱۹) حقائق کی طرف سے نظر پھر جاتی ہے جادو ٹونے ٹوٹکے اور دوسری بہت سی وہمی و خیالی باتوں پر نظر جم جاتی ہے۔ ۲/۹۴

(۲۰) اہل دین حق فروش بن جاتے ہیں اپنی رایوں اور خواہشوں کو اللہ کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتاتے ہیں۔ ۲/۷۹

(۲۱) زندگی کی کشاکش سے نبرد آزمائی اور مصائب و مشکلات کے جھیلنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی بے ایمانی اور بے اعتقادی کی باتوں اور حرکتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ۳۳/۱۲

عمل کی جگہ تمنائیں اور آرزوئیں لے لیتی ہیں اور دل کی روحانیت ختم ہو کر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے

(۲۲) ہوا و ہوس کا غلبہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ حق و صداقت کے قبولیت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ۴۶/۱۴

(۲۳) اللہ پر نظر نہیں رہتی ہے بلکہ دوسری چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھنے کا رواج عام ہو جاتا ہے اسی بنا پر خوف اور بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور کسی مہم میں شرکت کی جرأت و ہمت نہیں باقی رہتی ہے ۴۶/۲۴ - ۴۸/۱۱

(۲۴) اللہ سے زیادہ انسانوں کا خوف مسلط ہو جاتا ہے۔ ۵۹/۱۳

(۲۵) سچائی کے پرستاروں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور حتی الامکان ان سے دور رہنے کی کوشش ہوتی ہے ۶۳/۵

(۲۶) جن کو صداقت کی بات قبول کرنے میں عار محسوس ہوتا ہے اور داعیوں کے ساتھ تکبر و سرکشی کا برتاؤ ہوتا ہے۔ ۱۲/۵

Marfat.com

(۲۷) بات کر کے پھر جانا جھوٹی قسموں کے ذریعہ مطلب براری کرنا وغیرہ لوگوں کا شیوہ بن جاتا ہے ۴۳/۲

(۲۸) آپس میں ایک دوسرے کے قلوب مختلف ہوتے ہیں اگر کہیں اتحاد نظر بھی آتا ہے تو وہ ظاہری طور پر کام نکالنے کے لئے ہوتا ہے فائدہ اور غرض کے وقت اپنے پرائے دوست کی پرواہ نہیں رہ جاتی ہے وغیرہ۔ ۴۹/۱۴

(۲۹) ایثار و قربانی کے بغیر جہاں مالی منفعت کی امید ہوتی ہے وہاں لوگ سب سے آگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی ہے تو اسے حاسد وغیرہ کے نام سے مطعون کرتے ہیں۔ ۳۸/۱۵

(۳۰) لوگ تمناؤں اور آرزوؤں میں پھنس کر عزیمت و ہمت کے کاموں سے جان چراتے ہیں۔ ۵۷/۸

غرض دل کی روحانیت ختم ہو کر جماعتی مزاج پر شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کی حکمرانی چلتی ہے ۵۵/۱۸

بے عملی و بدعملی

زوال کا دوسرا بنیادی سبب بے عملی اور بدعملی ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں (۱) سیرت کی تشکیل اور تنظیم سے متعلق جو اخلاقی ہدایتیں ہیں ان سے پہلو تہی کی جائے یا ان کے خلاف عمل کیا جائے۔

(۲) حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے قیام و بقا کے لئے جس قسم کی مادی جدوجہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے۔ قرآن حکیم نے

بے عملی اور بدعملی کے مختلف مظاہر بیان کئے ہیں سیرت کی تشکیل و تنظیم سے متعلق چند یہ ہیں۔

معاصی کے ارتکاب میں آزادی و بے باکی ہو جاتی ہے

(۱) اخلاقی سطح نہایت پست ہو جاتی ہے۔ کردار کا کوئی معیار نہیں باقی رہتا ہے اور معاصی کے ارتکاب میں بے باکی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ معاصی کا احساس بھی دل سے نکل جاتا ہے قرآن حکیم میں ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ	اور کتنی ہی بستیاں ظلم و شرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد دوسرے گروہوں کو لا کھڑا کیا۔
$\frac{۲۱}{۱۱}$	

آیت میں "ظالمۃ" کا لفظ ہے اور ظلم کے معنی "وضع الشئ فی غیر محلہٖ" ہیں (جس چیز کا جو محل ہو اس کا وہاں نہ ہونا) ایک موقع پر شرک کو "ظلم عظیم" کہا گیا۔ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" $\frac{۳۱}{۱۳}$ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تمام برائیوں اور بداخلاقیوں کا ارتکاب انسان کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" $\frac{۳۵}{۳۲}$ کیونکہ قرآن حکیم نے انسان کی عظمت و بلندی کا جو موقف مقرر کیا ہے وہ سب اس کے خلاف ہیں اور اس لحاظ سے سب "وضع الشئ فی غیر محلہٖ" میں داخل ہیں۔

انسانیت حیوانیت کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے

(۲) دوسری آیت میں اخلاقی پستی و بے حسی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲	بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ انسان ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔

انسان کی عظمت و بلندی کا اصل راز اس کے اخلاق و کردار میں مضمر ہے۔ کسی زندگی میں جب یہ نہ باقی رہ جائیں تو اس کی حیثیت جانوروں سے بدتر ہو جاتی ہے۔ نیز اخلاق و کردار میں تسخیری و تنظیمی صلاحیت کے جوہر موجود ہیں جن سے، ظاہری و باطنی دشمن سے مقابلہ کے وقت کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرن اوّل میں رومیوں کا جب مسلمانوں سے مقابلہ ہو رہا تھا اور رومی دمشق و حمص کے میدان میں پے در پے شکستیں کھا رہے تھے تو قیصر روم نے اپنے چند فوجی سرداروں کو بلا کر پوچھا کہ "عرب کے فتوحات کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ تم تعداد و قوت و طاقت اور سامانِ جنگ میں ان سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔

اس پر ایک بوڑھے اور تجربہ کار افسر نے جواب دیا کہ

"عرب کے پاس اخلاق کی طاقت ہے اور یہ ہمارے پاس نہیں ہے وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے ہیں۔ اپنے پرائے سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے ہیں۔

اور ہم شراب پیتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں وعدہ خلافی کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق پر ظلم کرتے ہیں۔"

قوم پر یاس و قنوطیت کی حالت طاری ہوتی ہے اور ذلت انگیز امن پر قناعت کر لیتی ہے	(۳) ترقی کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ یاس و قنوطیت کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

بلند پردازی اور اولوالعزمی کے سرچشمے خشک ہو جاتے ہیں پھر عارضی اور معمولی فائدوں کو مقصد حیات سمجھ کر اسی کی جد وجہد میں ساری زندگی گذر جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں اور پیغمبروں کے تذکرہ میں عمل اور رد عمل کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے مذکورہ بالا حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔

نیز قوم بنی اسرائیل کو جب موسیٰ علیہ السّلام نے زندگی کی تعمیر اور صلاحیتوں کی تنظیم کا حکم دیا تو نہ صرف یہ کہ انھوں نے اس سے پہلو تہی کی بلکہ فرعونی حکومت ہی کو ترجیح دینے لگے اور موسیٰ علیہ السّلام سے یہ شکایت کی کہ تمھاری اس کوشش نے فرعونیوں کو اور زیادہ مخالف بنا دیا ہے نیز جو کچھ ہمیں سہولتیں حاصل تھیں وہ بھی ختم ہو گئی ہیں۔

(ملاحظہ ہو سورہ بقرہ از آیت ۵۵ تا ۵۹ اور مائدہ از ۲۲ تا ۲۸)

یہ ذلت انگیزی پر قناعت اور جد وجہد سے گریز سب ان کی بے عملی و بدعملی کے اثرات و ثمرات تھے جس کی بنا پر جوہر انسانیت پائمال ہو گئے تھے۔ ان کے سینے میں نہ سچا دل باقی رہ گیا تھا اور نہ دل میں زندگی پیدا کرنے والی آرزوئیں رہ گئی تھیں۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا ابتدا میں جو رد عمل ہوا اسی طرح ہر زوال پذیر قوم میں انقلابی تحریکوں کا جو رد عمل ہوتا ہے وہ سب مذکورہ بالا حقائق کی شہادت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

(۴) قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ عیش پرستی کی ذہنیت ہر خاص وعام پر مسلط ہو جاتی ہے۔ مفت خوروں کا ایک طبقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

جو قوم پر بار بنتا ہے اور حرکت و عمل کے بغیر عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کا خواہشمند رہتا ہے۔

ایسی حالت میں ہمدردی۔ غم خواری۔ ایثار و قربانی وغیرہ کے جذبات افسردہ ہو جاتے ہیں اور خود غرضی۔ خود فریبی۔ خوش فہمی وغیرہ کے جذبات ابھر آتے ہیں اور ہر فرد دوسرے سے خوفزدہ رہتا ہے۔

تاریخ کا یہ المیہ بھی عجیب و غریب ہے کہ طبقاتی کشمکش کے وقت امراء اور قومی نمائندوں کا ہمیشہ اتحاد رہا ہے اور انسانیت کی تذلیل میں دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا ہے

چنانچہ قرآن حکیم نے سرمایہ داری کا کردار قانون کے ذیل میں بیان کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ انفرادی زندگی میں ابھرتی ہے تو کس قدر زندگی اور خدا فراموشی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اسی طرح قومی نمائندوں کا ذکر بھی ذیل قسم کی آیات میں ہے جس سے ان کی حق کے معاملہ میں سرکشی اور ناحق مال خوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

۹/۳۴

اے مومنو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء و مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں روکتے ہیں۔

Marfat.com

نزولِ قرآن کے وقت یہود و عیسائی چونکہ زوال پذیر قوم تھے اس لئے ترجمہ میں انھیں کے علماء و مشائخ مراد لئے گئے ہیں یہی حالت زوال کے وقت ہر قوم کے اکثر علماء و مشائخ کی ہوتی ہے۔

توکل اور تقدیر کا غلط مفہوم رواج پاجاتے ہیں اور قوائے عملی مفلوج ہو جاتے ہیں

(۵) توکل اور تقدیر[ع] کا غلط مفہوم عام ہو جاتا ہے جس کی بناء پر قوائے عملی مفلوج ہو جاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی وغیر مستعدی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور بلا جدوجہد یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا وہ ہوا اور آئندہ بھی وہی ہوگا جو تقدیر میں ہوگا۔ گویا تقدیر کی حیثیت ان کے لئے آہنی زرہ کی ہے جو انھیں

ع تقدیر اللہ کے علم اور اندازہ کا نام ہے کہ کوئی شے اس کے علم اور اندازہ سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح توکل کامل جدوجہد کے ساتھ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں۔

ان دونوں کی صحیح حقیقت نہ تو انسان کو بے عمل بناتی ہے اور نہ ہی سستی و کاہلی پیدا کرتی ہے بلکہ ایک خاص قسم کا زاویۂ نگاہ دے کر انسان کو میدان کارزار میں سرگرم عمل رکھتی ہے نیز زندگی کے بہت سے فتنے ان دونوں کے ذریعہ دفع ہوتے رہتے ہیں مثلاً کامیابی و کامرانی کی صورت میں غرور نہیں پیدا ہوتا ہے جو ترقی کے لئے بڑی رکاوٹ ہے اور ناکامی کی صورت میں مایوسی نہیں ہوتی۔ ہے جو انسان کے لئے پیام موت ہے اسی طرح نفس پر اعتماد کرنے سے جتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان سب کا مکمل انسداد ہو جاتا ہے اور بزدلی وکم ہمتی وغیرہ جراثیم سے حفاظت رہتی ہے جن بعض اجتماعیین نے ان دونوں پر اعتراض کیا ہے وہ ان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں ان لوگوں نے غلط مفہوم کو مروج دیکھ کر اصل سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتراض کی عمارت قائم کر دی ہے۔

Marfat.com

پنہادی گئی ہے وہ دن بدن کھچتے جاتے ہیں اور ذرہ ذرہ قبضہ کرتی جاتی ہے۔

اس صورت حال کا اثر زندگی میں یہ نمایاں ہوتا ہے کہ اپنی ذات اور مزعومہ مذہب کے علاوہ دوسری تمام چیزوں سے کنارہ کشی میں انھیں عافیت معلوم ہوتی ہے نیز قدامت پرستی و تقلیدی جمود ان میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ اس کی تائید قوموں کے درج ذیل جوابات سے ہوتی ہے۔

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ — ہمیں وہی کافی ہے جس پر اپنے
اٰبَآءَنَا ٥/١٠٤ — باپ دادا کو پایا۔

اِنَّا وَجَدْنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ — ہم نے باپ دادا کو ایک عقیدہ اور
وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ — طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے
مُّقْتَدُوْنَ ٤٣/٢٣ — نقش قدم پر چلیں گے۔

نیز زندگی کی کشمکش سے گریز کرتے کرتے مذہب چند مراسم و رواج کا مجموعہ رہ جاتا ہے اس کے باوجود خوش فہمی و خود بینی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ کا محبوب اور جنت کا تنہا مستحق وہ اپنے ہی کو سمجھتے ہیں اور بلا جہد و عمل ایسی [illegible] کے خواہش مند رہتے ہیں۔

یہودیوں کے باب میں قرآن حکیم نے ان کے یہ مقولے نقل کیے ہیں۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ — ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے
.... ٥/٢٢ — پیارے ہیں۔

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا — دوزخ کی آگ اگر ہمیں چھوئی بھی
مَّعْدُوْدَةً ٢/٧٥ — تو چند دن کے لئے۔

Marfat.com

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے
بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں
بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ کے لئے سراہے جائیں جو انھوں
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ .. نے نہیں کئے ہیں اے پیغمبر آپ انھیں
.... ۳/۱۸۵ عذاب سے چھٹکارا پانے والا نہ سمجھئے۔

دل کی سختی سے عبرت پذیری کی استعداد ختم ہو جاتی ہے	(۲) دل سخت اور بے جان ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے عبرت پذیری اور تنبیہ کی استعداد معدوم ہو جاتی ہے

اور انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع اور مطمئن بن جاتا ہے پھر اس کے بعد ترقی کی امنگوں اور جاندار تمناؤں وغیرہ کا سوال ہی نہیں باقی رہتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ (بد عملیوں اور شقاوتوں کی وجہ سے)
بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں ایسے
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ...... سخت گویا پتھر کی چٹانیں ہیں یا ان
.... ۲/۷۴ سے بھی زیادہ سخت۔

قرآن حکیم کی روشنی میں قساوت قلبی کے اثرات درج ذیل ہیں۔

(ل) حق و صداقت کی وضاحت کے بعد بھی لوگ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ ۲/۸

(ب) مصلحین پر طرح طرح کے اتہام لگا کر انھیں ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۳۴/۴۳ ۶۱/۵

(ج) ایک دوسرے کے مذہب کی تکذیب و تنقیص کرتے ہیں جو اختلا

Marfat.com

ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ہوتا ہے اس کو وہ عین دین سمجھتے ہیں ۔ ٢/٢١٠

(د) احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں مقابل کی طاقت دل و دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے کہ اس کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہوتے ہیں ٥/٢٦

(س) قلت و کثرت کی بحث چھڑ جاتی ہے حالانکہ کامیابی و ناکامی کا مدار قلت و کثرت پر نہیں ہے بلکہ ذاتی جوہر و صلاحیت پر ہے ۔ ٢/٢٥١

(ص) دن بدن برائی سے روکنے والے کم ہوتے جاتے ہیں اور دین دشمنوں کا غلبہ ہوتا جاتا ہے ۔ ٦/١٦٩

مال و دولت اور زندگی کی محبت کی وجہ سے جد و جہد کی طاقتیں چھن جاتی ہیں

(ط) مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے جس کے حسب ذیل اثرات زندگی میں نمودار ہوتے ہیں ۔

(ا) عزم و ہمت ایثار و قربانی کے کام نہیں ہو پاتے ہیں ۔

(ب) قومی و جماعتی مفاد نظروں سے اوجھل ہو کر صرف ذاتی اغراض و مفاد پیش نظر ہوتے ہیں ۔

(ج) فوجی طاقت چھن جاتی ہے اور سامان حرب کی جگہ سامان تعیش لے لیتے ہیں ۔

(د) خوشامد و چاپلوسی کے جذبات شعبۂ زندگی میں سرایت کر جاتے ہیں ۔

(س) حقوق کے تحفظ قیام دین کی جد وجہد قومی عزت و ناموس کے جذبات دل سے نکل جاتے ہیں ۔

چند آیتیں یہ ہیں ۔

Marfat.com

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ٢/٩١

زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ہر آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے کہ کاش ایک ہزار برس تک تو جئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ٣/٦٩

ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک دینار کے لئے بھی ان پر بھروسہ کرو تو کبھی تمھیں واپس نہ دیں جب تک کہ ہمیشہ ان کے سر پہ کھڑے نہ رہو۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥/٦٨

ان میں سے بہتوں کو آپ دیکھیں گے کہ گناہ و ظلم کے ارتکاب اور مال حرام کھانے میں بہت تیز ہیں کس قدر برے کام ہیں جو یہ شب و روز کررہے ہیں۔

مذکورہ بعض اثرات کا ثبوت اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پہ ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے آدمی کھانے کی رکابی پہ ٹوٹ پڑتے ہیں"

Marfat.com

صحابہؓ نے سوال کیا کہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ بہت ہوگی لیکن تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسے پانی کی سطح پر گھاس پھوس ہوتا ہے "غثاء کغثاء السیل" تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تم کسی شمار و قطار میں نہ رہ جاؤگے

صحابہؓ نے پھر سوال کیا کہ یہ حالت کیونکر ہو جائے گی؟ فرمایا: تمہارے اندر "وھن" پیدا ہو جائے گا "وھن" کا مطلب ہے دنیا (مال و دولت وغیرہ) سے محبت اور موت سے کراہیت ہے "حب الدنیا وکراھیۃ الموت"[1]

علماء میں بھی مال و دولت اور زندگی سے محبت بڑھ جاتی ہے

(۸) مال و دولت اور زندگی سے محبت کی وبا عوام ہی تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اکثر علماء بھی اس میں ملوث ہوتے ہیں اور وہ اس سلسلہ میں احکام الٰہیہ کی تحریف سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں نیز آسان اور اپنی ضرورت کے مطابق احکام قبول کر لیتے ہیں اور جن میں محنت و مشقت پڑتی ہے انھیں چھوڑ دیتے ہیں علماء یہود کے بارے میں قرآن حکیم کی تصریحات یہ ہیں۔

(۱) يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ وہ کلموں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔

(۲) فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ پھٹکار ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں

[1] ابوداؤد و بیہقی فی دلائل النبوۃ از مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۶۱

يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے
لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۲/۷۹	دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں ۔
(۳) نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ	جنھیں اللہ کی کتاب دی گئی ہے
أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ	ان میں سے ہر ایک فریق نے اس کو
وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ ۲/۹۶	پس پشت ڈال دیا ہے ۔
(۴) أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ	کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب کوئی
رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ	رسول تمہارے پاس وہ حکم لے کر
أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۔۔۔	آیا جو تمہاری نفسانی خواہش کے
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲/۸۲	موافق نہ ہوا تو تم نے غرور کیا ۔

بے عملی اور بد عملی کی دوسری صورت کہ حالات و زمانہ کے تقاضا کی مناسبت سے جس قسم کی جد وجہد درکار ہے اس سے غفلت برتی جائے ۔ اس کے اثرات حسب ذیل طریقہ پر زندگی میں نمایاں ہوتے ہیں ۔

ذہنیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کھلی ہوئی ترقی کی راہیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں

(۱) ذہنیتوں پر پردہ پڑ جاتے ہیں کھلی ہوئی ترقی کی راہوں کو دیکھنے کے باوجود انھیں اپنانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے ۔ شیطان ان کے اعمال کو ان کی نظروں کے سامنے اس طرح خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے (زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ) کہ جو کچھ اُن کے پاس چند پرانی راہ و رسم کا مجموعہ رہتا ہے بس اسی میں وہ مگن رہتے ہیں ۔

قرآن حکیم نے مختلف قوموں کے تذکرہ میں رسولوں کی تکذیب و تنقیص

Marfat.com

اور ان کی اصلاحی وانقلابی تحریک کی مخالفت کا جو ذکر کیا ہے وہ دراصل انہیں اثرات کا نتیجہ تھا جیسا کہ ان کے تفصیلی حالات وواقعات سے ظاہر ہے۔

(۲) لوگ علم وحکمت کی تحصیل سے گریز کرتے ہیں کیونکہ جس دنیا میں وہ رہتے ہیں وہاں علم وحکمت کا گذر ہی نہیں ہوتا ہے۔ ان کا قلب ہی نہیں بے کار ہوتا بلکہ ذہن وادراک کی ساری قوتیں بھی بے کار ہوجاتی ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر بن جاتے ہیں۔

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ۷/۱۷۹ — یہ لوگ جانور بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے ہیں۔

مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہوجاتی ہے

(۳) مذہب کے غلط تخیل کی وجہ سے دین اور دنیا کی تقسیم ہوجاتی ہے دیندار اور دنیادار دو الگ الگ طبقہ بن جاتے ہیں اور یہ خیال عام ہوجاتا ہے کہ دنیا کے ساتھ دین پر عمل کرنا ناممکن ہے (حالانکہ دین ہمیشہ دنیا کے لئے آیا ہے آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ اسی دنیا کے اثرات ونتائج ہوں گے)

اس تقسیم کے بعد مذہبی طبقہ کی اکثریت سامنے کوئی میدان نہ رہ جانے کی وجہ سے آپس ہی میں دست وگریباں رہتی ہے اور اس کے جدوجہد کی ساری دوڑ چند فروعی اور فرسودہ مسائل (جن کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہیں رہتا) کی موشگافیوں میں سمٹ کر آجاتی ہے۔

چنانچہ مسلمان اپنے دور اول میں جب عدل ورحمت کا نظام قائم کرنے کے لئے بعض عیسائی ممالک میں گئے تو وہاں کے پادریوں کو ان مباحث

Marfat.com

میں مصروف پایا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک۔ اور آسمان سے جو دسترخوان (مائدہ) آیا تھا اس میں خمیری روٹی تھی یا فطیری (غیر خمیری)

آج مسلمانوں میں بھی اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو بہت سے علمائے کرام کا ذریعۂ معاش بنے ہوئے ہیں۔

اور دنیا دار طبقہ کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی ہے اس بنا پر وہ اور زیادہ مفاد پرستی وہوس رانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ترقی کی راہیں کون سی ہیں اور تنزل کی کون سی؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ "جرائم تمدن" جو ترقی کا نقاب ڈالے ہوئے ہوتے ہیں وہ انھیں کو ترقی کے لئے سب کچھ جان کر اختیار کر لیتا ہے اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ ہم زمانہ کی ترقی کا ساتھ دے رہے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جن بعض اجتماعیین نے ترقی کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ قرار دے کر کہا ہو کہ "مشرقی اقوام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے"[1]

وہ دراصل اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت اور اسلامی تاریخ سے تعصب کی بنا پر ہے چنانچہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمان اپنے ابتدائی دور میں جس قدر مذہب کی پابندی میں سخت تھے اسی قدر فتوحات اور ترقیات کا سلسلہ وسیع تھا۔ بعد میں جس قدر مذہب سے اعراض بڑھتا گیا شرک و نفاق اپنا قدم جماتے گئے اور بے عملی و بدعملی کے "جرائم" پیوست ہو گئے

---

[1] تمدن ہند از ڈاکٹر لیبان ص ۱۸۲ و تمدن عرب۔

Marfat.com

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام و بقا کی جدوجہد میں وہ پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں ان سے آگے نکل گئیں۔

سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کے وقت سے ہوا ہے

جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لیکر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے عناصر کو مافوق الفطرت اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا اس خیال کے ماتحت کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے حکمرانی کے لئے شیطان کے حوالہ کر دیا ہے مطالعہ فطرت کو مذموم جانتے تھے اور جو کوئی اس کی جانب توجہ کرتا اس کا بھوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

چند علماء یورپ کی شہادتیں

قرآن حکیم کے اسی تخیل کے پیش نظر جیسی جیسی خواہشیں اور ضرورتیں بڑھتی گئیں مسلمان برابر ادھر توجہ کرتے رہے حتیٰ کہ یورپ کو اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔

جیسا کہ جان ڈیون پورٹ نے لکھا ہے۔

Marfat.com

"تمام علوم مثلاً طبعی، نجوم، فلسفہ اور ریاضی وغیرہ جو چودھویں صدی عیسوی سے یورپ میں رائج ہوئے وہ سب کے سب عربی مدارس سے ماخوذ ہیں اس بنا پر ہسپانیہ کو یورپی فلسفہ کا موجد تسلیم کرنا چاہیئے"

عربی مدارس میں یہ ساری تعلیم بلا امتیاز مذہب و ملت دی جاتی تھی کسی قوم و مذہب کی تخصیص و تفریق نہ تھی۔

"رینان" کہتے ہیں

"سائنس اور ادب کا مذاق دسویں صدی عیسوی تک دنیا کے اس ممتاز گوشہ میں اس طرح قائم ہو گیا تھا جس کی رواداری کی مثال موجودہ دور میں عنقا ہے۔ عیسائی یہود و مسلمان سب ایک ہی زبان بولتے تھے ایک ہی نغمہ گاتے تھے اور ایک ہی ادبی و سائنٹفک مسند درس کے حاشیہ نشین تھے وہ تمام قیود جن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا رہتے تھے وہ یکلخت اٹھا دیئے گئے تھے اور سب کے سب متفق ہو کر مشترکہ تمدن کی بنیاد ڈالنے میں مصروف جد و جہد ہو گئے تھے قرطبہ کی مسجدیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ رہتے تھے وہ اس علم و حکمت کا مرکز بن گئی تھیں"،

"گستاؤ درکس" نے "اسلام کا احسان یورپ پر" نامی کتاب لکھی ہے جن میں صراحۃً کہا ہے کہ

"یورپ سائنٹفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے اسلام ہی کے طفیل علمار سائنس بیکن نیوٹن وغیرہ جیسے لوگ پیدا ہوئے اگر مسلمانوں

Marfat.com

نے کاغذ بارود قطب نما اور دیگر آلات ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا تو یورپ کی سائنس اور تہذیب کی چودہ سو برس پہلے جو حالت تھی وہی آج ہوتی۔لہ

ان تصریحات کے بعد اسلامی تعلیمات پر کیسے کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

ذیل میں ہم بے عملی اور بدعملی کے اثرات چند تاریخی شہادتوں کی روشنی میں بیان کرتے ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی مزید توثیق ہو سکے گی۔

زوال کے زمانہ میں رومن قوم کی حالت

رومن قوم کا حال اس کے زوال کے زمانہ میں "لیکی" نے یہ بیان کیا ہے۔

"رومی قوم اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی بلکہ بعض شہروں میں جن میں کثیر التعداد زاہد اور راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بدعملی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی ...... غرض بدکاری اور توہم پرستی کا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے۔ رائے جمہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو رسوائی اور بدنامی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا۔لہ ضمیر کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں مکاری اور دغابازی کی

لہ تفصیل کیلئے "اسلام اور عروج سائنس" مسلمانوں کی تہذیب و تمدن وغیرہ موضوع پر کتابیں دیکھنی چاہئیں ۱۲

Marfat.com

وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی"۔[۵]

ڈاکٹر ڈگبن نے رومی قوم کی حالت پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے وہ کہتے ہیں

"عیش پرستی کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں ...... کفایت شعاری جتنی زیادہ ہوتی جاتی تھی اسی نسبت سے اس کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روزافزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا ......

یہ غیر ممکن تھا کہ اس زمانہ کے لوگ تن آسانیوں میں رہ کر زوال کے اسباب نہ دیکھتے۔ رومی زندگی میں ایک زہریلا اثر سرایت کر رہا تھا۔ شعراء اور مقررین کی لوگ غلامانہ تقلید کرتے تھے۔ جدت طبع ختم ہو چکی تھی اور یہ ایسا تنزل تھا جس سے ان کے جذبات پست و ذلیل اور قوٰی پژمردہ ہو گئے تھے"۔[۶]

سیل صاحب نے دیباچۂ قرآن میں لکھا ہے کہ

"گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن، محبت، نیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب بھول گئے تھے اور اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔ اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لئے باعث ننگ ہیں مذہبی صورت میں قائم کئے گئے

---

[۵] تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۰۲۔ [۶] تاریخ زوال روم ج ۱ و ۲۔

خصوصاً دیوں اور محبوبوں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی تھی
.... بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد و اخلاق کی جو خرابیاں
پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت تبدیل ہوگئی
ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ
کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے[۵۱]

زوال کے زمانہ میں ایرانیوں کی حالت

ایرانیوں کا حال بھی بحیثیت مجموعی رومیوں جیسا تھا چنانچہ
"بادشاہوں کے ظلم و ستم کا بازار گرم تھا امراء کی
عیش پرستیوں اور خود غرضیوں نے صداقت و اخلاص اور ہر قسم کے
اخلاقی جوہر (جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے) فنا کر دیئے
تھے۔ لوگوں میں خست و دنائت سرایت کر گئی تھی اور اعمال صالحہ و
اخلاق فاضلہ سے اعراض کرنے لگے تھے"[۵۲]

"تعیش پرستی و آزادروی کا نتیجہ تھا کہ چھٹی صدی عیسوی میں قباد
اول بن فیروز کے زمانہ میں "مزدک" نامی تحریک وجود میں آئی (مزدک
مجوسیوں کا ایک مذہبی پیشوا تھا) جس نے دولت اور عورت کو مشترک
قرار دیا۔ ہوس ران امراء اور عوام دونوں نے اس تحریک کو
خوشی خوشی قبول کیا اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت
میں نمایاں حصہ لیا یہاں تک کہ وہ تقریباً ساری قوم عیش پرستی کے
نشہ میں مخمور ہوگئی۔

---

[۵۱] سیرت النبی ج ۴ ص ۲۲۶ - [۵۲] تاریخ ایران جلد ۱۔

Marfat.com

۵۳۱ء میں خسرو نوشیرواں نے اس فتنہ کو بزور شمشیر دبانے کی کوشش کی لیکن پوری طرح وہ کامیاب نہ ہو سکا ۱؎

مسلم حکومت کے زوال پر شاہ ولی اللہؒ کی بحث

شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے رومیوں اور عجمیوں کے اسباب زوال پر نہایت قیمتی بحث کی ہے اس کا مطالعہ اس موقع پر نہایت مفید ہے ۲؎

مسلم حکومت کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے

وغالب سبب خراب	اس زمانہ میں ملک کی خرابی اور
البلدان فی هذا الزمان	ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں
شیئان احدهما تضییقهم	(۱) ایک سرکاری خزانہ پر تنگی
علی بیت المال ان یعتادوا	اس طرح کہ لوگوں کی یہ عادت سا
والتکسب بالاخذ منه	پڑگئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ
علی انهم من الغزاة او	سے روپیہ اس دعویٰ کے ساتھ
من العلماء الذین لهم	حاصل کرتے ہیں کہ وہ سپاہی ہیں
حق فیه او من الذین	یا عالم ہیں کہ جن کا حق اس خزانہ
جرت عادة الملوک	میں ہے یا ان لوگوں میں سے ہیں
بصلتهم کالزهاد والشعراء	جن کو بادشاہ خود انعام دیا
او بوجه من الوجوه التکدی	کرتے ہیں جیسے زاہد پیشہ صوفی

۱؎ الملل والنحل ج ۱ ص ۶۶ ۔ ۲؎ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم۔

ویکون العمدۃ عندھم	شاعر اور دوسرے وہ لوگ جو ملک
ھو التکسب دون القیام	و قوم کا کوئی کام کئے اور محنت
بالمصلحۃ فیدخل قوم	کئے بغیر کسی نہ کسی طرح روزی
علیٰ قوم فیتغصون علیھم	حاصل کرتے ہیں یہ لوگ دوسروں
ویصیرون کلا علی المدینۃ	کے ذرائع آمدنی کو کم کر دیتے
والثانی ضرب الضرائب	ہیں اور ملک و قوم پر بوجھ ہیں
الثقیلۃ علیٰ ارباب الزراع	(۲) دوسرا سبب کاشتکاروں
والتجار والمحترفۃ والتشدید	بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر
علیھم حتی یفضی الی	بھاری محصول لگانا اور ان پر
اجحاف المطاوعین	تحصیل وصول میں یہاں تک
واستئصالھم والی تمنع	سختی کرنا کہ جو بیچارے مطیع
اولی باس شدید	اور حکم کے ماننے والے ہیں وہ
وبغیھم وانما تصلح المدینۃ	تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش
بالجبایۃ الیسیرۃ واقامۃ	و زبردست ہیں وہ باغی بن رہے
الحفظۃ بقدر الضرورۃ	ہیں حالانکہ ملک و سلطنت کی
فلیفھم اھل الزمان	آبادی و سرسبزی کم محصول نوج
ھذہ النکتۃ [1]	اور عہدہ داروں وغیرہ کے بقدر

ضرورت تقرر پر ہے اس زمانہ کے لوگوں کو ہشیاری کے ساتھ سیاست کے اس نکتہ ؟

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب سیاسۃ المدینۃ۔

شاہ صاحب نے ان دو سببوں میں بہت کچھ کہدیا ہے۔ تجربہ کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ قومی زندگی میں یہ دونوں کب اور کیونکر پیدا ہوتے ہیں؟

شاہ صاحب کا مقصد انھیں وجوہ واسباب کی طرف نشاندہی کرنا ہے بطور اثر اور نتیجہ کے دو باتیں بیان کر دی ہیں تاکہ غور و فکر کرنے والے ان دونوں کی گہرائی تک پہنچکر کھوج لگائیں۔

عیش پرستی کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم پر مسلط ہوجاتی ہے

ایک اور موقع پر حضرت شاہ صاحب عیش پرستی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لم یبق	عام و خاص رعایا و دہقان
منهم احد من اسواقهم	امیر و غریب کوئی نہیں باقی
ورستاقهم وغنیهم	رہ گیا تھا جس پر عیش و آرام
وفقیرهم الا قد	نہ مسلط ہو۔
استولت علیه[1]	

دراصل عیش و عشرت کی ذہنیت ہوتی ہے جو زوال پذیر قوم کے افراد پر مسلط ہو جاتی ہے خواہ مال و دولت ان کے پاس ہو یا نہ ہو۔

البتہ جب مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو اس ذہنیت کے مظاہرہ کی شکل دوسری ہوتی ہے اور جب فراوانی نہیں ہوتی ہے تو اسکی دوسری شکل ہو جاتی ہے لیکن اس ذہنیت کا مظاہرہ کسی نہ کسی شکل میں بہرصورت ہوتا رہتا ہے۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب سیاستہ المدینۃ۔

Marfat.com

باطل پرستی و خود فریبی

"الحق" کی جو تشریح اوپر گذر چکی ہے باطل ٹھیک اس کی نقیض ہے۔
قومی و جماعتی زندگی میں اثر کی صورت یہ ہے کہ انسان معنوی لحاظ سے دو جزء سے مرکب ہے (۱) ایک وہ ہے جس کے ذریعہ حیات حیوانی کے قیام و بقاء کی جدوجہد ہوتی ہے اور (۲) دوسرا وہ ہے جس کے ذریعہ حیات انسانی (انسانیت) کے نشوونما کی جدوجہد ہوتی ہے۔

دوسرے جزء کا ماحصل حق اور حقیقت کا ادراک اور عملی زندگی میں اُسے بروئے کار لانا ہے۔

باطل پرستی و خود فریبی سے بصیرت نفس ختم ہوجاتی ہے

(۱) قوم جب باطل پرست رہتی ہے تو زیادہ تر اس کا اثر اسی دوسرے جزء پر پڑتا ہے جس کی بناء پر بصیرت[1] نفس ختم ہو جاتی ہے۔ صحیح ذوق و وجدان نہیں باقی رہتا ہے۔ چنانچہ نہ حق کا صحیح ادراک ہو پاتا ہے اور نہ ہی اس کے بروئے کار لانے کی کوشش ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی غور و فکر کرنے والے لوگ موجود رہتے ہیں لیکن ان کا زیادہ تر تعلق یا تو حیات حیوانی سے رہ جاتا ہے اور یا یہ کہ

---

[1] بصیرت نفس، ادراک کی اس استعداد کا نام ہے جو حق پرستی کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہوتی ہے اور تعقل کے متعارف ذرائع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ القاء کشف و الہام وغیرہ اسی ذریعۂ ادراک سے متعلق ہیں ۱۲۔

Marfat.com

حیات انسانی سے متعلق ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم نے قوم کی اسی حالت کو "ختم اور طبع" (مہر کرنا) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوْبِهِمْ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ ۔	مہر لگا دی ہے اسی لئے چند لوگوں کے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/۱۵۵	سوا سب ایمان سے محروم ہیں۔

نفوس میں انجماد ہو جاتا ہے (۲) نفوس میں ایک خاص قسم کا انجماد پیدا ہو جاتا ہے سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود نہ اس کا کچھ اثر لیا جاتا ہے اور نہ ہی حالت میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ	کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے
فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ	نہیں کہ عبرت حاصل کرتے ان کے
بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا	پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے
فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ	کان ہوتے اور اس کے
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ	ذریعہ سنتے ہوتے اصل یہ ہے کہ
فِي الصُّدُوْرِ ۱۲/۴۶ ۔ ۔ ۔	ان لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	ہیں دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا	ان کے پاس دل ہیں لیکن سمجھتے
وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا	نہیں ہیں آنکھیں ہیں مگر دیکھتے
وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۷/۱۷۹	نہیں ہیں کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں

اصل یہ ہے کہ حیات اجتماعی کا مایۂ خمیر ہی افراد کی تعلیم پذیری واثر پذیری ہے جب تک افراد میں ایسی لچک موجود رہتی ہے کہ وہ مؤثرات خارجی کو جذب اور ہضم کر سکتے ہیں اسی وقت تک جماعتی زندگی اور اس کے خدو خال باقی رہتے ہیں اور جب اندرونی زندگی میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے اور خارج کی کوئی شئے انھیں متاثر نہیں کر سکتی ہے تو جماعتی نظم و نسق درہم برہم ہو جاتا ہے اور پھر ارتقار کی ضمانتیں ضبط ہو جاتی ہیں۔

اس بارے میں پروفیسر جیمس" نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

"انسان اصولاً بس ایک تقلید کرنے والا حیوان ہے اس کی ساری تعلیم پذیری بلکہ ساری تمدنی ترقی کا دارومدار انسان کی اسی خصوصیت پر ہے[۵]۔"

ممکن ہے اس میں کسی قدر مبالغہ ہو لیکن بہت حد تک اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے۔

(۳) قوم بحیثیت مجموعی عجائب پرست بن جاتی ہے جہاں ذرا سی کوئی بات عجیب معلوم ہوئی بس اسی کی معتقد بن گئی اور اسی کے پیچھے چل پڑی۔

ایسی حالت میں نہ سچے رہنماؤں کی قدر باقی رہتی ہے اور نہ ہی حقیقی اعمال وافعال کی، بلکہ اس کا کام ہر شعبدہ باز سامری صفت کے ہاتھوں کھلنا اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر ہر حق پرست کو ملعون کرنا رہ جاتا ہے قرآن حکیم نے

[۵] جیمس پرنسپلز آف سائیکالوجی ج ۲ از فلسفۂ اجتماع ص ۳۰۔

Marfat.com

یہودی قوم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا	سامری ان کے لئے ایک بچھڑا نکال کر
لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَا	لایا محض ایک بےجان دھڑ جس سے
اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ	گائے کی سی آواز نکلتی تھی لوگ
.... ۲۰/۸۸	یہ دیکھ کر بول اٹھے یہ ہے ہمارا

(معبود اور موسیٰ کا معبود مگر وہ بھول میں پڑ گیا۔)

جرائم کو سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں

(۴) علم و ہنر ایجادات و انکشافات کے باوجود سوسائٹی کے جرائم سمجھنے والے لوگ نہیں رہ جاتے ہیں اور جو رہتے بھی ہیں ان کی آواز کالعدم بن جاتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قوم کی سیرت بالکلیہ مسخ ہو جاتی ہے اور وہ جرائم پیشہ بن جاتی ہے۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا	(ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم
فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ	لوگوں کے چہرے مسخ کر کے ان
اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ	کے پیٹھ کے پیچھے کر دیں یا ایسا ہو
اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ	کہ جس طرح اصحاب سبت پر ہماری
اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ...	پھٹکار پڑی تھی اسی طرح ان پر
....	بھی پڑے یاد رکھو اللہ نے جو کچھ
.... ۴/۵۱	فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

(۵) ایسی حالت میں بھی ان کی عقل مندی و ہوشیاری کا اعتراف قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ۔ $\frac{29}{38}$

اور ہم نے قوم عاد و ثمود کو ہلاک کیا جن کے مکانات کے آثار تمہارے سامنے ہیں شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دکھایا تھا حالانکہ وہ لوگ ہوشیار و عقل مند تھے ۔

بدعات اور جرائم تمدن کو شیطان بقا اور ارتقار کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے

آیت میں " زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ " ہے (شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دکھلایا ہے) خود فریبی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مروجہ بدعات اور جرائم تمدن کو شیطان ان کی نظروں میں بقا و ارتقار کا سبب بنا کر پیش کرتا ہے جس کی بنا پر ان چیزوں سے نہ بچنے کی نوبت آتی ہے اور نہ ضرورت ہی پیش آتی ہے ۔

بے ثباتی و خودغرضی

زوال کا چوتھا اہم سبب بے ثباتی و خودغرضی ہے ۔

نفسیاتی لحاظ سے زندگی میں جب صبر کے جذبات کمزور پڑتے ہیں تو مذکورہ قسم کے جذبات ابھر آتے ہیں جن سے ایک طرف تو وہ اخلاق تباہ ہوتے ہیں جو بقار کے لئے ضروری ہیں مثلاً عدل ۔ ہمدردی ۔ فیاضی ۔ ایثار و قربانی وغیرہ ۔ اور دوسری طرف ان اوصاف پر زد پڑتی ہے جو ارتقار کے لئے لازمی ہیں مثلاً ہمت ۔ قوت ارادی ۔ عملی قابلیت ۔ اقدام عمل ۔ شوق تحقیقات ۔

Marfat.com

قوت استنباط۔ جدت طبع وغیرہ۔

قوم جب گراوٹ کی اس منزل پر پہنچتی ہے تو خواہش کا نام ارادہ پڑ جاتا ہے۔ انسانی ضمیر سپرڈال دیتا ہے اور موروثی اخلاق واصاف تک محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں قرآن حکیم کی روشنی میں چند اثرات یہ ہیں۔

قوم شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور قسمت کا ماتم کرنے لگتی ہے

(۱) قوم کے افراد عزم ومقاصد کی راہ میں مصائب ومشکلات جھیلنے کے بجائے شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھلانے کا وقت آتا ہے تو کوسنا اور قسمت کا ماتم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس راہ کی معمولی سی معمولی تکلیف بھی ان کے لئے پہاڑ بن جاتی ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام نے جب یہودیوں کو صبر وثبات کی تعلیم دی تو انھوں نے یہ جواب دیا

اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا ۔ تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم
وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا . . . ستائے گئے اور آنے کے بعد بھی
. . . . $\frac{۷}{۱۲۸}$ ہم ستائے جا رہے ہیں۔

(۲) ذہنی طوائف الملوکی کی وبا عام ہو جاتی ہے تو قوموں میں انتشار اور رایوں پر اغراض کا قبضہ ہو جاتا ہے۔

تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ تو ان کو متفق سمجھتا ہے حالانکہ
شَتّٰی . . . . . $\frac{۵۹}{۱۴}$ ان کے دل متفرق ہیں۔

(۳) مرغوبات ومفادات میں الجھ کر ہجرت جہاد اور نصرت رجوع نیام وبقاء

Marfat.com

کے لئے ضروری ہیں) سے روگردانی کی جاتی ہے اور طرح طرح کار برآری کی کوشش ہوتی ہے۔

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ...... ۳/۱۶۱ — وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم قتال مناسب جانتے تو ضرور تمھارے ساتھ ہوتے۔

حالانکہ ان کی اندرونی کیفیت یہ ہوتی ہے۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ...... ۳/۱۶۱ — وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ نزدیک تھے زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو حقیقۃً ان کے دل میں نہیں ہے۔

(۴) ضبط نفس نہیں باقی رہتا ہے۔ نظم و اطاعت اور استقامت کی روح ختم ہو جاتی ہے کام کے ولولے نہیں پیدا ہوتے ہیں اور اگر کچھ کام شروع بھی کیا تو ثابت قدمی سے محروم رہتے ہیں۔ — قومی کام کا ولولہ نہیں باقی رہتا

چنانچہ نہر کے پانی کے سلسلہ میں جب یہودیوں کی آزمائش کی گئی تو انھوں نے انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ...... ۲/۲۵۰ — ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے پانی پی لیا۔

جب قوم کے افراد ایک گھڑی کی پیاس بھی ضبط نہ کر سکیں تو زندگی کی کشمکش سے عبور کرنے کی کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

قوم کے جوان و نوجوان بھی تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں

ایسی حالت میں قوم کے جوانوں اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یاس و حرمان کی تخم پاشی ہو جاتی ہے ان کی قوت ارادی مفقود ہو جاتی ہے اور وقتی و ذاتی فائدے کے غلام بن جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اصلی سرمایہ قوم کے جوان اور نوجوان ہی ہوتے ہیں یہی زندگی بخش تصوّرات قبول کرتے ہیں اور انھیں کے ہاتھوں انقلاب آتا ہے۔ بوڑھوں میں چونکہ قوت مدافعت اور قوتِ اقدام کی کمی ہوتی ہے نیز شعوری و غیر شعوری طور پر ان پر ماحول کا کافی اثر ہوتا ہے اس لئے انقلابی تصور ان کے دماغ میں پیدا ہی نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کو بروئے کار لانے کی ہمت و سکت نہیں باقی رہتی ہے۔

قرآن حکیم سے بھی ایک جزئی واقعہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام کے قصّہ میں ہے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ — موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر
مِّنْ قَوْمِهٖ .... — صرف ایک گروہ جو قوم کے
.... ۱۰/۸۲ — نوجوانوں کا گروہ تھا۔

جب کسی قوم کا یہ طبقہ ذہنی و فکری اور عملی لحاظ سے تباہ ہو جائے تو پھر اس قوم کے ابھرنے کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں اور دن بدن ذلت و پستی کے غار میں گرتی چلی جاتی ہے۔

جوانی اور بڑھاپے کی ایک نئی تقسیم

یہاں ایک یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات عزم و حوصلہ میں جوان بوڑھے نظر آتے ہیں اور بوڑھے جوان بن جاتے

Marfat.com

ہیں۔ اس بنا پر قیام و بقا کی جد وجہد صرف جوانوں تک محدود کرنا صحیح نہیں ہے۔

میرے خیال میں قیام و بقا کی جد وجہد کے سلسلہ میں عمر کو جوانی اور بڑھاپے کے بجائے تین دوروں میں تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۱) وہ دور جس میں خود کی زندگی نمایاں مقام رکھتی ہے (۲) وہ جس میں دوسروں کی زندگی کا غلبہ ہو جاتا ہے (۳) وہ جس میں خود دوسروں کے لئے بار بنتا ہے۔

یہ تقسیم سن اور سال پر منحصر نہیں ہے بلکہ اندرونی جذبات اور ذہنیت پر اس کا دارومدار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عمر کے لحاظ سے بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو لیکن ذہنی اور جذباتی زندگی کے لحاظ سے وہ دور اول کے قابل ہو اسی طرح ممکن ہے ذہنیت اور جذبات کے لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دور کے لائق ہو لیکن عمر کے لحاظ سے ابھی وہ جوان بلکہ نوجوان ہو۔

اس تقسیم کے لحاظ سے انسان صرف پہلے دور میں انقلابی جد وجہد کے لئے موزوں ہوتا ہے اور جوان کہلاتا ہے خواہ اس کی عمر کچھ ہو جہاں اس نے دوسرے دور میں قدم رکھا بس وہ الجھ کر رہ جاتا ہے اور ایثار و قربانی کے کام اس سے نہیں ہو پاتے ہیں اس بنا پر بڑھاپے میں داخل شمار ہوتا ہے۔

اس کی تائید رسول اللہؐ کی درج ذیل حدیث سے بھی کسی قدر ہوتی ہے[۵]

ان الولد مبخلۃ و ... | اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہیں

ماہرین نفسیات کے ایک شبہہ کا جواب | مذکورہ توجیہ میں انسان کے خود غرضانہ جذبات

---

[۵] شرح السنۃ و احمد از مشکوٰۃ ص ۱۱۹۔

Marfat.com

زیادہ آسانی کے ساتھ قربان کرنے کو ترجیح دی گئی ہے حالانکہ ماہرین نفسیات کے نزدیک سب سے زیادہ قوی وہ جذبات ہیں جن سے انسان کی حیات شخصی وابستہ ہے پھر ان جذبات و خواہشات کا نمبر آتا ہے جن پر اس کی اولاد کا وجود اور ان کی زندگی منحصر ہے پھر تیسرے نمبر پر وہ احساسات ہیں جن پر انسان کی حیات عمرانی مشروط ہے اس بنا پر سب سے زیادہ قوی خود غرضانہ جذبات ہیں اور ان کا قربان کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے لیکن نفسیاتی اور جذباتی زندگی کی یہ تقسیم دراصل انسان کے انفرادی طبعی تقاضہ اور ڈارون کے فلسفۂ ارتقار کی بنیاد پر ہے۔ اور مذکور تقسیم کی بنیاد انسان کی اجتماعی اور تمدنی زندگی کی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جب انسان اجتماعی اور تمدنی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو احساسات و جذبات کی مذکورہ ترتیب میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے اور انسان خود پر دوسروں کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے کی خاطر اپنے کو وقف بھی کر دیتا ہے۔

یا یہ کہیں کہ نفسیین کی تقسیم حیوانی تقاضا پورا کرنے کے سلسلہ میں ہے اس مرحلہ میں انسان ذاتی خواہشات و جذبات ہی کو غالب رکھتا ہے مثلاً بھوک کی حالت میں کبھی اولاد تک کو مار کر کھا جاتا ہے یا فروخت کر دیتا ہے وغیرہ۔ اور مذکورہ بالا تقسیم انسانی تقاضے کے سلسلہ کی ہے جس قدر انسانی تقاضوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اسی قدر دوسروں کی ترجیح کا سوال سامنے آتا ہے اور انسانیت کو نشو و نما حاصل ہوتی ہے۔

مکمل تاریخِ اسلام

گیارہ جلدوں میں

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخِ ملت کے نام سے مشہور ہے تمام طبقوں میں مقبول ہو چکا ہے۔ مختلف خصوصیات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے، زبان کی سلاست ترتیب کی دلنشینی اور جامعیت اسکی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں اور عہدِ نبوت سے لیکر بہادر شاہ آخری مغل تاجدار کے زمانہ تک کے حالات کا نقشہ نکھر جاتا ہے۔ تاریخ کی یہ گیارہ جلدیں بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد تیار ہوئی ہیں اور عوام و خواص سب کے مطالعہ کے قابل ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب۔

جلد اوّل	نبی عربی	عہ	جلد ششم	خلافتِ عباسیہ (حصّہ دوم)	للعہ
جلد دوم	خلافتِ راشدہ	سے	جلد ہفتم	تاریخ مصر	سے
جلد سوم	" بنی اُمیّہ	سے	جلد ہشتم	خلافتِ عثمانیہ	سے
جلد چہارم	" ہسپانیہ	عا	جلد نہم	تاریخ صقلیہ	عہ
جلد پنجم	" عباسیہ (حصّہ اوّل)	سے	جلد دہم	سلاطین ہند اوّل	سے
			جلد یازدہم	سلاطین ہند دوم	سے

قیمت مکمل سیٹ غیر مجلد اکتیس روپے آٹھ آنے۔ مجلد چونتیس روپے

Marfat.com

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

۱۸۵۷ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ روزنامچہ اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ایک عجیب تاریخی دستاویز ہے۔ روزنامچہ لکھنے والے عبداللطیف ہیں جنھوں نے قلعہ دہلی کا آنکھوں دیکھا حال صاف شستہ اور موثر انداز میں سپرد قلم کیا ہے۔ اس روزنامچے میں بعض ایسی معلومات بھی ملتی ہیں جو پہلی بار اسی روزنامچہ کے ذریعہ سامنے آئی ہیں۔ اس روزنامچہ کو پڑھ کر ۱۸۵۷ء کے سبق آموز اور عبرتناک تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔

کتاب کے مرتب مشہور فاضل اور مؤرخ خلیق احمد صاحب نظامی ہیں جن کی تاریخی بصیرت مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ شروع میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے "پیش لفظ" کے علاوہ خلیق احمد صاحب کا نہایت جامع اور بصیرت افروز مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل روزنامچہ کا فارسی متن اور پھر اس کا سہل و شگفتہ اردو ترجمہ، صفحات ۲۱۶ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت غیر مجلد تین روپے پچاس نئے پیسے مجلد مع نفیس لطیف اور دیدہ زیب ڈسٹ کور، چار روپے پچاس نئے پیسے

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

قیمت:- سات روپے

Marfat.com

اُردو میں پہلی عظیم الشان سیاسی لغت

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

جس میں بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہر چیز کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور تین جلدوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد میں تمام بین الاقوامی شخصیتوں، قوموں اور ملکوں کے حالات کا بیان ہے۔ دوسری اور تیسری جلدیں بین الاقوامی اداروں کے حالات، معاہدات، تحریکات و نظریات، سیاسی اصطلاحات، واقعات محاربات مسائل اور تنازعات کو جمع کر دینے کے علاوہ متفرقات کے عنوان سے بہت سی اہم مفید معلومات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔

یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ "بین الاقوامی سیاسی معلومات کے مرتبہ کی کوئی کتاب اس موضوع پر آج تک شائع نہیں ہوئی تھی اس کی اشاعت سے ہماری زبان میں ایک لاثانی معلوماتی کتاب وجود میں آگئی ہے۔ ملک کے مشہور اور موقر اخبارات و رسائل نے کتاب پر نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ ماہنامہ "آجکل" دہلی کی رائے میں "یہ کتاب اپنی نوعیت کا واحد انسائیکلوپیڈیا ہے"۔ معارف اعظم گڈھ کی رائے ہے کہ "یہ کتاب نہ صرف اردو خواں بلکہ انگریزی داں طبقہ کے لئے بھی مفید ہے"۔ ہفتہ وار صدق نے لکھا ہے "یہ کتاب اردو زبان کی ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتی ہے اور اس کے مطالعہ سے بین الملکی سیاسیات سے متعلق اچھی خاصی بصیرت پیدا ہو سکتی ہے"۔ یہ کتاب مدرسوں، لائبریریوں اور اخبارات کے دفتروں میں ریفرنس بک کی حیثیت سے بھی رکھے جانے کے لائق ہے۔ جلد اوّل ۸۰۸ صفحات قیمت آٹھ روپے جلد دوم ۴۹۶ صفحات قیمت ۵ر جلد سوم ۴۲۴ صفحات قیمت ۵ر

Marfat.com

موجودہ زمانہ کی بہترین سیاسی کتابیں

شہنشاہیت جدید سرمایہ داری کی مکمل تاریخ

شہنشاہیت کی حقیقت، اس کی تاریخ اور کارناموں کی تفصیل اور اسکے نتائج واثرات پر اُردو میں پہلی کتاب جس کا مطالعہ تاریخی اور سیاسی ذوق رکھنے والوں کیلئے بیحد بصیرت افروز اور معلومات افزا ثابت ہوگا۔ مطالعہ کے لائق کتاب، صفحات دو سو۔ قیمت مجلد مع خوبصورت گردپوش۔ دو روپے۔

انقلابِ رُوس اور رُوس انقلاب کے بعد

رُوس کے زبردست انقلاب اُس کے پس منظر، اُس کی تاریخ اور اُس کے اثرات پر اعلیٰ درجے کی کتاب۔ پہلے حصہ میں پہلی جنگ لیکر ۱۹۲۴ء تک کے حالات درج ہیں جن کے مطالعہ سے نہ صرف انقلابِ رُوس کے تمام گوشے روشن ہوجاتے ہیں بلکہ دُنیا کے عام انقلابات اور تحریکات کے اسباب اور انکے نتائج وثمرات کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ دُوسرے حصہ میں ۱۹۲۵ء سے موجودہ رُوس تک کے تمام قابلِ ذکر سیاسی اور معاشی حالات کا بیان ہے۔ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب۔ صفحات ۶۵۰ قیمت سات روپے۔

سرمایہ

کارل مارکس کی سب سے اہم بلند پایہ تصنیف (CAPITAL) کیپٹل کا ملخص شستہ ورفتہ ترجمہ، اس انقلابی لیڈر نے اس کتاب میں انقلابی نظریوں کو علمی صورت میں پیش کیا ہے، سرمایہ کی حقیقت، سرمایہ داری کے اصول، محنت اور سرمایہ کی تقسیم، اور مزدوری کے پُرپیچ مسائل پر یہ کتاب عجیب وغریب معلومات مہیا کرتی ہے۔

صفحات ۱۴۴۔ قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

مینجر مکتبہ بُرہان جامع مسجد دہلی

6690

Marfat.com